کستوربا گاندھی

گنپت رائے بی۔ اے نیشنل

پبلشرز

لاجپت رائے اینڈ سنز تاجرانِ کتب

لاہور

بار اوّل　　　　جنوری ۱۹۴۶ء　　　　قیمت عہ ۱۲

فہرست مضامین

مہاتما گاندھی کی طرف سے

کستوربا میری استاد تھیں

اگرچہ کستوربا مرنے سے تکلیف سے رہائی پا گئی اور اچھا ہوا مگر میرے لئے جدائی کا صدمہ ناقابلِ برداشت ہے۔ ہماری جوڑی ایک غیر معمولی جوڑی تھی ۱۹۰۶ء میں ہم دونوں نے ایک دوسرے کی رضامندی سے اور بڑی آزمائشوں کے بعد علیحدہ رہنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری یگانگت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی۔ گویا ہم دونوں ایک ہی ہوگئے۔ میری کہنے کے بغیر ہی کستوربا میرے لئے سب کچھ کرتی اور صحیح معنوں میں میری اردھانگی بن گئی۔ وہ مرضی کی بڑی مضبوط تھی اور پہلے پہل میں اس کی اس صفت کو ضد سے تعبیر کیا کرتا تھا۔ مگر مضبوط دل ہونے کی وجہ سے ہی وہ عدم تشدد اور عدم تعاون کے عمل میں مجھ سے سبقت لے گئی۔ گویا میری استاد بن گئی۔ ان اصولوں کا عمل پہلے

پہلے میرے خاندان میں شروع ہوا جب میں نے اُن ہی اصولوں کا ۱۹۰۶ء میں ملک کی سیاست پر اطلاق کیا تو وہ ستیہ گرہ کے پرمعنی الفاظ میں تبدیل ہوگئے۔ جنوبی افریقہ میں جب ہندوستانی جیل میں جانے لگے تو کستور بانے ستیہ گرہ کیا اور جیل میں گئی اور مجھ سے زیادہ تکلیف برداشت کی اگرچہ وہ کئی بار جیل جاچکی تھی مگر اب کے اس نے قید کو پسند نہ کیا باوجودیکہ سب طرح کا آرام بھی تھا۔ میرے اور میرے ساتھیوں کے قید ہونے اور ساتھ اُسکے بھی قید ہوجانے سے اُسے بہت صدمہ ہوا اور اس کی بڑی دل شکنی ہوئی میں نے اُسے کہا تھا کہ حکومت کو مجھ پر پورا اعتماد ہے اور اگر میں نے خود قید ہونا نہ چاہا تو حکومت مداخلت نہیں کرے گی۔ میں نے اپنے رویہ کو بدلا اور قید ہوگیا۔ اس سے اُسے بڑا صدمہ ہوا اور اُسے بدہضمی کی شکایت ہوگئی۔ ڈاکٹر سوشیلا نیر نے جو خود قید میں تھی علاج کیا اور کستور با اچھی ہوگئی۔ بعد میں وہ بھی اُسی کیمپ میں لائی گئی۔ جہاں میں قید تھا۔ اس وقت اُسے کچھ حوصلہ سا ہوگیا اور شکایت جاتی رہی۔ مگر دل شکنی کیسے جاتی۔ آہستہ آہستہ جسم گھلتا گیا اور وہ چل بسی۔

(گاندھی جی کا خط لارڈ ویول کے نام)

تمہید

کسی شخص کی سوانح حیات سے اس کی زندگی کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ بعض دفعہ بیان میں مبالغہ ہوجاتا ہے اور بعض حالتوں میں صفات کا پورا نقشہ سامنے نہیں آتا۔ کستوربا کی زندگی موخر الذکر زمرہ میں شامل کی جاسکتی ہے۔ مورخ کو بڑی مشکل کا سامنا ہوتا ہے۔ بہت لوگوں نے ان کی زندگی کا حال لکھا ہے اور بہت ابھی لکھیں گے۔ مگر ایسی سادہ اور انکساری اور ایثار سے پر زندگی کو پوری طرح سے بیان کرنا نہایت ہی مشکل ہوا کرتا ہے۔ کستوربا صبر و وفاداری اور محبت کا نمونہ تھیں۔ مصنف نے اس کتاب میں ان کی خوبصورت زندگی کو بڑی خوبی سے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

میں کستوربا سے ملی ہوں۔ میں گاندھی جی کے آشرم میں رہا کرتی تھی اور اُن سے اکثر ملتی تھی، سیواگرام میں ان کا ایک صاف جھونپڑی میں رہنا اور سفید کھدر کی پوشاک پہننا اور چرخہ کاتنا اور راماین کا پڑھنا مجھے اچھی طرح سے یاد ہے۔ دوست اور رشتہ دار اکثر درشن کے لئے آتے تھے۔ سیواگرام کستوربا کے بغیر اچھا نہ لگتا تھا۔ اب اُن کے مرجانے کے بعد آشرم اور بھی سُونا پڑ گیا ہے۔

میں ان کی بڑی مداح ہوں، کیونکہ مجھے روحانی صفات بڑی پسندیدہ ہیں۔ کستوربا کسی ڈرامے کی اداکار نہ تھیں، نہ ہی بڑی مصنف یا تقریر کرنے میں ماہر تھیں، تاکہ ہزاروں پر اثر ڈالتیں وہ تو گاندھی جی کے نقش قدم پر چلتی تھیں اور انہوں نے اپنی تمام زندگی اور طاقت گاندھی جی کے لئے خرچ کر دی تھی۔ انھیں اس سے کوئی مطلب نہ تھا کہ گاندھی جی کیا کہتے ہیں، نہ ہی انہوں نے ان کی تحریک کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اُن کے لئے گاندھی جی کا کہنا ہی کافی تھا۔ اور سچائی اور آزادی کی خاطر جو گاندھی جی کہتے وہ سیتا کی طرح قبول کر لیتی تھیں، ان کے ساتھ ہی وہ بھی کئی دفعہ جیل میں گئیں، رضامندی سے غربت میں ان کا ساتھ دیا، اور سختیاں اور مصائب خوشی سے سہے۔ جب تک جسم میں طاقت تھی انہوں نے گاندھی جی

کی خدمت کی اور وہ بھی بڑی خوشی سے۔ گاندھی جی کے لئے سادہ کھانا تیار کرنا اور پھلوں کو صاف چھیل کر انھیں دینا اور صاف اور چمکیلے برتنوں میں ڈالنا یہ ان ہی کا کام تھا۔ لکڑی اور پیتل کے برتن ایسے صاف ہوتے جیسے چاندی کے ہوں۔ دودھ اور گرم پانی اتنا گرم دیتی جتنا کہ گاندھی جی پسند کرتے۔ میں نے یہ سب کچھ انھیں کرتے دیکھا اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہی ان کی بڑائی کا راز مضمر ہے۔ وہ صحیح معنوں میں ایک ہندو بیوی تھیں جنہوں نے خاوند کے لئے اپنے آپ کو قربان کر رکھا تھا۔

باوجود ان باتوں کے وہ بڑی ہی مستقل مزاج عورت تھیں اور استقلال کی وجہ سے یہ سب کچھ ان سے بن پڑا۔ گاندھی جی خود فرماتے ہیں کہ ان کی بیوی بڑی مستقل مزاج تھیں اور اوائل عمر میں ایسی ضد کر بیٹھتی تھیں کہ گاندھی جی مشکل میں پڑ جاتے تھے البتہ بڑے ہونے پر انھوں نے اپنی مرضی کو گاندھی جی کی مرضی کے تحت میں ڈال دیا اور وہ بھی بڑی خوش اسلوبی اور متانت سے۔

ایسا کرنے سے کستوربا نے صرف گاندھی جی کی خدمت نہ کی بلکہ سارے ملک کی خدمت کی۔ آپ ملک کی سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتی رہیں اور مصائب برداشت کئے اور بڑی خاموشی

سے ملک کی خاطر دکھ سہے۔ کسی اور عورت نے ایسا نہیں کیا۔ آخر عمر کستوربا کی جیل میں گذری اور ان کی موت بھی جیل میں ہوئی۔

کستوربا نہایت ہی نیک اور سنجیدہ عورت تھیں اور بڑی شخصیت تھیں انہوں نے اپنی زندگی اپنے ملک کی خدمت میں گذار دی اور اُسے ملک کے لئے وقف کیا۔ ان کی صفات اور خدمات اور استقلال آنے والی نسلوں کے لئے سرمشق ہوں گی اور اُن کا نام ہمیشہ تک زندہ رہے گا۔ وہ میری بہن ہمارے لئے اور سارے ہندوستان کے لئے ماں کی طرح تھیں اور لوگ اُن کو اسی حیثیت میں یاد کریں گے اور ان کی عزت کریں گے۔ آؤ ہم بھی اُس کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو بہتر بنائیں۔

رامیشوری نہرو (سری نگر)

(۱)

بچپن

ماہ اپریل ۱۸۶۹ء بمقام پور بندر جو راجکوٹ ریاست کا دارالحکومت ہے شری گیت وراج کنور با کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام کستور با رکھا گیا۔ گاندھی جی کا جنم اسی سال اکتوبر کے مہینے میں ہوا۔ کستور با کے اکلوتے بھائی شری یت مادھو داس گوکل داس جی کے بیان کے مطابق اُن کی بہن گاندھی جی سے تین یا چار مہینے چھوٹی تھی۔ مہاتما گاندھی جی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں کہ ان کی بیوی ان کی ہم عمر تھی۔ یہ بات ذکر کرنے کے قابل ہے کہ دونو کا جنم ایک ہی سال ہوا اور وہ بھی ایک ہی جگہ یعنی پور بندر میں۔

کستور با کے والد شری یت گوکل داس ماکن جی سوداگر تھے اور گندم، روئی اور کپڑے کی دوکان کرتے تھے۔ ان کو کیا معلوم تھا کہ

اُن کی صاحبزادی اپنی زندگی میں ہی اپنے وطن کی آزادی کی جنگ میں نمایاں حصہ لے گی۔ نہ ہی کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ کستوربا ایک دن مہاتما گاندھی جی کی جو مشاہیرِ عالم میں سے ہوں گے بیوی بنے گی۔

کستوربا چونکہ سب سے بڑی تھیں سارا کنبہ اُن سے پیار کرتا تھا اور وہ ناز و نعمت میں پلی تھیں، اس زمانے میں لوگ لڑکیوں کو پڑھاتے لکھاتے نہ تھے۔ اب جیسی بات نہ تھی۔ کستوربا صرف گجراتی جانتی تھیں اور وہ بھی مشکل سے پڑھ سکتی تھیں۔ والدین نے بھی اس بات کا خیال نہ کیا اور لڑکی نے بھی پرواہ نہ کی۔ کستوربا اگرچہ شرمیلی لڑکی تھی مگر اپنی سہیلیوں کے مقابلہ خود پسند واقعہ ہوئی تھی۔

(۲)

شادی

کستوربا ابھی سات سال کی تھیں جب اُن کی موہن داس گاندھی سے منگنی ہوگئی اور تیرہ برس کی تھیں کہ شادی بھی کردی گئی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گاندھی جی کی منگنی دو بار پہلے بھی ہوچکی تھی مگر دو تو لڑکیاں مرچکی تھیں، کستوربا کو شادی کے وقت یہ معلوم نہ تھا کہ انھیں کن مصائب کا آنے والی زندگی میں سامنا کرنا ہوگا۔

شادی کی رسم پوربندر میں ۱۸۸۲ء میں ادا کی گئی۔ گاندھی جی کے والد شری یت کرم چند جی ملازمت کے سلسلہ میں راجکوٹ چلے گئے تھے اور شادی کے وقت پوربندر واپس آئے اور خاندان کے سب لوگ بھی آئے۔ شادی کی رسم بڑی دھوم دھام سے اد

کی گئی۔

جوہانس برگ کے ایک پادری جوزف جے ڈوک صاحب جو گاندھی جی سے جنوبی افریقہ میں ملے تھے لکھتے ہیں۔

"شادی والے دن بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ گاندھی جی اور اُن کے دو اور بھائیوں کی شادی ایک ہی دن ہوئی۔ بہت سے رشتہ دار موجود تھے۔ مکان پھولوں سے بھر گیا۔ اور دُولھے اور دُلھنیں سب بچے ہی تھے۔ ایک طرف برہمنوں کا منتر پڑھنا اور دوسری طرف کوڑیوں سے کھیلنا بڑا مزا دے رہا تھا ہندستان میں دُلھا اور دُلھن اکثر شادی ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے، اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب دُلھن گھونگٹ اٹھاتی ہے تو دُلھا بدصورت دُلھن کو دیکھ کر گھبراتا ہے، مگر اس شادی میں یہ رسم ادا نہ کی گئی۔ میرا خیال ہے کہ والدین نے فراخ دلی سے کام لیا اور یہ رسم ادا نہ ہونے پائی۔ شادی سے پہلے ہی دُلھن راجکوٹ لے جائی گئی اور گاندھی جی اور اُن کی ہونے والی بیوی گھر میں کھیلا کرتے تھے۔"[۱]

مہاتما گاندھی لکھتے ہیں

"مجھے آج تک یاد ہے کہ ہم شادی والے دن کس طرح چوکی

M. K. Gandhi, An Indian Patriot in South Africa, p. 21

پر دونو بیٹھے اور کس طرح آگ کے گرد سات دفعہ گھومتے اور کس طرح ہم نے ایک دوسرے کے منہ میں میٹھا کنار ڈالا۔ اور پھر کس طرح دونو اکھٹے رہنے لگے۔ پہلی رات تھی اور ہم دونو بچے ہی تھے گویا ہم دونو زندگی کے سمندر میں معصومیت کے عالم میں کود پڑے۔ میرے بھائی کی بیوی نے مجھے پہلی رات کے متعلق کچھ اشارے دئے تھے۔ مجھے معلوم نہیں میری بیوی کو کس نے سبق پڑھایا۔ میں نے کبھی اس سے اس بات کے متعلق پوچھا نہیں نہ ہی پوچھنا چاہتا ہوں مگر معلوم رہے کہ ہم دونو گھبرائے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے شرم کرتے تھے میں نہیں جانتا تھا کہ کیا کہوں اور کس طرح سے بات شروع کروں جو کچھ بھائی کی بیوی نے سکھلایا تھا وہ مجھے بھول گیا۔ ایسے معاملے میں کوئی کسی کو کیا سکھلا سکتا ہے۔ پچھلے جنم کے سنسکار ایسے زوردار ہوتے ہیں کہ سکھاوٹ بے کار ہوتی ہے۔ آخر بات چل پڑی آپس میں بات چیت ہونے لگی۔ ہم دونو ہم عمر تو تھے ہی۔ مجھے خاوند ہونے کی حیثیت میں اختیارات اپنے ہاتھ میں لینے پڑے[۱]

ایلا سٹین اپنی کتاب[۲] میں لکھتی ہیں۔

"مہاتما گاندھی اور اُن کی اہلیہ اس زمانہ کے سوشل ماحول

---

[۱] The Story of My Experiments with Truth, p. 21.

[۲] Wives of Famous Men p. 21.

سے تعلق رکھتے تھے جب کہ چھوٹی عمر کی شادی اور پردہ اور ذات پات
کا ایشیا زہندوستان میں معمول تھا۔ شادی ایک قسم کا نیا تجربہ
تھا، اور گاندھی جی خاوند ہونے کی حیثیت میں اپنے فرائض منصبی کو
پورے طور پر نبھانے لگے، مگر خود کم سن تھے اور چاہتے تھے کہ بیوی
وفادار ہو۔ چنانچہ اُن کے دل میں حسد کی آگ بھڑکی اور مزاج
میں شک پیدا ہوگیا۔ بیوی ان باتوں پر جھنجلانے لگی وہ بھی سینہ میں
دل رکھتی تھی اور اُسے اپنے اوپر اعتماد تھا"

کسی نے سچ کہا ہے کہ محبت کے راستے میں کانٹے ہوتے ہیں کستوربا
کے لئے یہ ضرب المثل درست ثابت ہوئی۔ گاندھی جی اپنی بیوی کو دل
سے پیار کرتے تھے، جتنا زیادہ پیار کرتے اُتنا ہی چاہتے کہ اُن کی بیوی
صحیح معنوں میں آدرش بیوی ہو۔ چنانچہ آپس میں کھٹ پٹ ہوگئی، اپنی
خودنوشت سوانح حیات میں اس عنوان سے یعنی "خاوند کا فریضہ" لکھتے
ہیں

"چند کتابیں جن میں خاوند اور بیوی کی محبت کفائت شعاری، کم سنی
کی شادی اور دیگر مضامین کا ذکر تھا میری نظر سے گذریں۔ بیوی
کے ساتھ وفاداری کا خیال ہمیشہ کے لئے میرے دل پر نقش ہوگیا۔

مجھے سچائی سے بڑا پیار تھا۔ بھلا میں کیسے اپنی بیوی سے بیوفائی کرسکتا تھا؟ اور چھوٹی عمر میں تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر ایسے خیال کا نتیجہ اچھا نہ ہوا۔ اگر مجھے بیوی سے وفاداری کرنی تھی تو بیوی کے لئے بھی لازمی تھا کہ وہ بھی وفادار رہے۔ میرے دل میں حسد پیدا ہوا۔ خاوند کی حیثیت میں میں نے یہ سمجھا کہ میرا حق ہے کہ میری بیوی میرا کہنا مانے۔ میں ضرورت سے زیادہ اس حق کو جتلانے لگا۔ مجھے اپنی بیوی کی وفاداری پر کوئی شک نہ تھا۔ مگر حسد کی آگ عقل کے پردوں کو جلا دیتی ہے۔ میں اپنی بیوی کی نگاہ داری کرنے لگ گیا۔ بغیر اجازت اُسے باہر نہ جانے دیتا۔ اس پر مجھ میں اور بیوی میں سخت جھگڑا ہو گیا۔ وہ سمجھنے لگی کہ اُسے قید کر دیا گیا ہے۔ بھلا وہ کیسے ایسی سختی برداشت کرتی؟ چنانچہ وہ بغیر اجازت جب اس کا جی چاہا اور جہاں جی چاہا چلی دی۔ جتنا میں کہتا کہ مت جاؤ اُتنا ہی وہ زیادہ باہر جاتی۔ مجھے بھی غصہ آنے لگا۔ آپس میں بول چال بند ہو گئی۔ کستوربا بھی بچوں کی طرح ضد کرنے لگ گئی اس کے دل میں کوئی فریب نہ تھا۔ بھلا مندر نہ جانے سے یا اپنی سہیلیوں کو ملنے سے وہ کیسے رک سکتی تھی؟ اگر مجھے اُسے روکنے کا حق حاصل تھا تو اُسے بھی حق تھا کہ مجھے روکتی۔ آج تو میں صاف طور پر اس معاملہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اُن دنوں مجھے خاوند بن کر دکھانا تھا۔ البتہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ہماری زندگی ...

The Story of My Experiments with Truth p. and 23.

ہوگئی تھی۔ میں محبت کی وجہ سے اپنی بیوی پر سختی کرتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ آدرش بیوی بنے۔ وہ پاک دامن ہو۔ نئی نئی باتیں سیکھے اور میری زندگی اور خیالات کا اُس پر بھی اثر پڑے۔

کستوربا کیا خیال کرتی تھی مجھے معلوم نہیں۔ وہ اَن پڑھ تھی۔ اسکا مزاج بالکل سادہ اور وہ بڑی خودمختار اور مستقل مزاج تھی اور میرے ساتھ بہت کم بات چیت کرتی تھی۔ وہ انجان تھی اور اُسے مطالعہ کا بالکل شوق نہ تھا۔ میرے سر پر ایک ہی دُھن سوار تھی۔ مجھے تو اپنی بیوی سے بے حد پیار تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ بھی ویسا ہی پیار مجھ سے کرے۔ اگر ایسا بھی نہ ہو تو بھی کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ میری طرف سے کم از کم محبت بہت زیادہ تھی"

شادی کے بعد گاندھی جی راجکوٹ میں پڑھنے کے لئے اپنے والد کے پاس چلے گئے۔ کستوربا اپنے سسرال میں تھیں، گاندھی جی کو اُن سے کس قدر محبت تھی ذیل کے بیان سے ظاہر ہے۔

"مجھے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ جب میں سکول جاتا تو مجھے اُس کا خیال رہتا۔ کب رات ہو اور میں اُس سے ملوں۔ یہ ہی فکر ہوتا۔ جدائی ناقابل برداشت تھی رات دیر تک بے معنی گفتگو ہوتی رہتی اور وہ بیچاری جاگتی

The Story of My Experiments with Truth, p. 24.

رہتی۔ اگر ایسی محبت ہوتے ہوتے میں اپنے فرض کو بھی نہ سمجھتا تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ یا تو میں بیمار ہو جاتا یا جلدی مر جاتا یا میری زندگی میرے لئے وبال جان ہو جاتی۔ مگر مجھے سب کام صبح اُٹھ کر وقت مقررہ پر کرنے پڑتے اور میں کسی کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔"

شادی کے بعد گاندھی جی نے بیوی کو پڑھانے لکھانے کی بہت کوشش کی، چونکہ اُن کو بہت مشغولیت تھی اور وقت نہ ملتا تھا انھوں نے استاد رکھ دیئے، مگر اس کام میں گاندھی جی کو کامیابی نہ ہوئی اور ناکامیاب کیونکر ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ کستور با اَن پڑھ تھیں، میں انھیں لکھانا پڑھانا چاہتا تھا۔ مگر میں شہوت کے جذبے میں اسیر تھا، ایک تو اُن کی اپنی مرضی پڑھنے کی نہ تھی اور دوسرا میرے پاس رات کے سوا کوئی وقت نہ تھا۔ دن کے وقت بڑوں کی حاضری میں تو اُن سے ملاقات نہ ہوتی تھی۔ بات چیت کرنا تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اُن دنوں میں کاٹھیا واڑ میں پردے کی رسم تھی اور اب بھی ہے۔ مگر اُتنی نہیں۔ یہ رسم بالکل فضول اور وحشیانہ تھی اس لئے ماحول بالکل میرے برخلاف تھا۔ اس وجہ سے بھی کستور با کو لکھانے پڑھانے میں مجھے کامیابی نہ ہو سکی۔ اور جب مجھے ہوش آئی تو مجھے مصروفیت

The Story of My Experiments with Truth, p. 25.

بہت تھی۔ سیاسی کام سے مجھے فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ استادوں کے ذریعے پڑھانے میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کستوربا اب مشکل سے گجراتی سمجھ سکتی ہے اور سادہ خط لکھ لیتی ہے مجھے پورا یقین ہے کہ اگر میری محبت میں شہوت کا جذبہ ملا نہ ہوتا تو وہ آج بڑی پڑھی لکھی ہوتی۔ کیونکہ تب اُسے پڑھائی سے نفرت نہ ہوتی۔ جہاں سچی محبت ہوتی ہے، وہاں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ شادی کے پہلے پانچ سالوں میں (۱۳ برس کی عمر سے ۱۸ برس کی عمر تک) ہم دونوں کوئی تین سال اکٹھے رہے ہوں گے۔ چھ مہینے بھی گذرنے نہ پاتے تھے کہ میری بیوی کے والدین اُسے گھر بُلا لیتے تھے۔ اُس وقت مجھے یہ بات بُری لگتی تھی۔ مگر اسی میں ہمارا بچاؤ ہوگیا۔"

کستوربا ابھی ۱۸ سال سے کم ہی ہوں گی مگر اُن کی سمجھ اور مردم شناسی مجھ سے کہیں بڑھ کر تھی۔ جب کبھی وہ مجھ سے کہتی کہ آپ بُری صحبت میں مت جاؤ تو میں اس قدر مغرور تھا کہ پرواہ تک نہ کرتا۔ اگر میں اپنے رویہ کو نہ بدلتا تو مجھے بیوی سے بے وفائی کرنی پڑ جاتی۔

ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مہاتما گاندھی لکھتے ہیں:۔

"میری بیوی کے ساتھ اختلاف کی وجہ میری ایک دوست کے

ساتھ دوستی تھی۔ مجھے اپنی بیوی کے ساتھ بے حد محبت تھی اور اس لئے مجھ میں حسد کا جذبہ تھا اور میرا دوست مجھے بیوی کے برخلاف اُبھارتا رہتا تھا۔ مجھے وہ سچ کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا جب وہ مجھے کچھ کہتا تو میں اپنی بیوی پر ناراض ہوتا اور سخت سُست بھی کہتا۔ میں غلطی پر تھا اور اس کا اقراری ہوں۔ اور میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ہندو بیوی ہی ایسی سختی کو برداشت کر سکتی ہے۔ اسی لئے میرا خیال ہے کہ عورت میں بڑی بُردباری ہے۔ اگر کسی ملازم پر ہم شک کریں تو وہ ملازمت چھوڑ دیتا ہے اور اگر اپنے بیٹے پر شک کریں تو وہ گھر چھوڑ سکتا ہے۔ اور اسی طرح دوست پر شک ہو تو وہ دوستی ترک کر دیتا ہے۔ بیوی اگر خاوند پر شک کرے تو بچاری خاموش ہو جاتی ہے۔ اگر خاوند بیوی پر شک کرے تو وہ تباہ ہو جاتی ہے۔ جائے تو کہاں جائے عدالت میں چارہ جوئی کرے تو طلاق نہیں ہو سکتا۔ قانوناً کچھ نہیں کر سکتی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ جس سختی کا میں مرتکب ہوں وہ قابلِ معافی نہیں، میں نے حد سے زیادہ اپنی بیوی پر سختی کی تھی۔ البتہ جب میں نے اہنسا کے معنی پوری طرح سے سمجھ لئے تو میرے دل سے شک بالکل جاتا رہا۔ تو مجھے برہمچریہ کی اصل حقیقت بھی سمجھ میں آگئی اور میں نے اس بات کا احساس کیا کہ بیوی اپنے خاوند کی غلام نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی ساتھن اور

مددگار ہے اور اس کے دُکھ سکھ میں شریک ہے۔ اور اُسے بھی خاوند کی طرح خود مختاری حاصل ہے۔ اب جب میں اُن دنوں کا خیال کرتا ہوں جب میں شک اور حسد میں مبتلا تھا تو مجھے اپنی بیوقوفی پر شرم آتی ہے۔ میں کیوں شہوت کے جذبے کا شکار ہوا۔ مجھے اپنے دوست پر اتنا اعتماد کرنے پر بھی بڑا افسوس ہے"۔

کستوربا بڑی سمجھ دار ہونے کے علاوہ بڑی دلیر تھیں۔ مثلاً چور، بھوت اور سانپ وغیرہ سے بالکل نہ ڈرتی تھیں۔ مہاتما گاندھی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:۔

"میں[1] بزدل تھا۔ مجھے چوروں بھوتوں اور سانپوں سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ میں رات کو اندھیرے میں باہر نہ نکلتا تھا۔ مجھے اندھیرے میں بڑا ڈر لگتا تھا، اگر کمرے میں اندھیرا ہوتا تو مجھے نیند نہ آتی تھی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف سے بھوت اندر آ رہے ہیں دوسری طرف سے چور اور تیسری طرف سے سانپ۔ میرے کمرے میں چراغ ہمیشہ جلتا ہی رہتا تھا۔ بھلا میں اپنی بیوی کو جو میرے پاس ہی سو رہی ہوتی تھی اور اب جوان بھی ہو گئی تھی کس طرح سے بتاتا کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ میری بیوی مجھ سے زیادہ دلیر ہے اور میں دل ہی دل میں

---

[1] The Story of My Experiments with Truth, p. 33.

شرمندہ تھا، وہ تو نہ سانپ سے ڈرتی تھی اور نہ ہی بھوتوں سے اور اندھیرے میں بھی باہر نکل جاتی تھی"۔

۱۸۸۴ء کا سال دونوں کے لئے اچھا نہ تھا۔ گاندھی جی کے والد کا انتقال ہوگیا۔ انہوں نے والد کی بڑی خدمت کی، کستور با کے گھر بچہ پیدا ہوا اور بدقسمتی سے صرف تین چار دن زندہ رہا۔ یہ بڑا ہی ناقابلِ برداشت صدمہ تھا۔ اُس کا دل بالکل ٹوٹ گیا۔ مایوسی اور صدمہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر کستور با نے ہندو ہوتے ہوئے اُسے برداشت کیا

۱۸۸۶ء میں کستور با کے گھر دوسرا لڑکا پیدا ہوا اور وہ ابھی مشکل سے دو سال کا ہوگا کہ گاندھی جی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ولائت روانہ ہوگئے۔ ان دنوں بڑے گھرانوں کے ہندو ولایت نہیں جایا کرتے تھے۔ مگر گاندھی جی کے خاندان کی بزرگ ماں اُن کو ولایت بھیجنے پر تلی ہوئی تھی۔ وہ مخالفت کی پرواہ نہ کرتی تھی اگر فکر تھا تو اس بات کا کہ لڑکا کہیں ولائت جاکر بگڑ نہ جائے جب گاندھی جی نے قسم کھاکر نیک رہنے کا وعدہ کیا تو وہ مان گئیں وہ خود اس بات کے اقراری ہیں کہ ولائت میں جاکر وہ قسمیں اُن کے کام آئیں۔ ایک تو وہاں بیوی کا خیال آتا رہا۔ چنانچہ جس عورت نے اُن کا تعارف ایک نوجوان لڑکی سے کروایا اُس لڑکی کو گاندھی جی نے صاف صاف لکھ دیا:۔

"مجھے یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ میں آپ کی محبت کے بالکل قابل نہیں۔ جب میں آپ سے ملاقات کرنے گیا تو مجھے آپ سے صاف کہنا چاہیئے تھا کہ میں شادی شدہ ہوں۔"

گاندھی جی نے ولایت جاکر لنڈن یونیورسٹی میں ایف، اے کا امتحان پاس کیا۔ تب وہ قانون کا امتحان دینے کے لئے میں داخل ہوئے اور سنہ ۱۸۹۱ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر گئے، دوسرے سال ہی وہ ولایت سے لوٹے اور ہندوستان آگئے آپ ابھی ولایت میں ہی تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ پُر الم خبر ان کو نہ دی گئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ گاندھی جی گھبرا نہ جائیں۔ اور ان کی پڑھائی میں ہرج واقع نہ ہو۔ جب وہ بمبئی پہنچے تو انھیں والدہ کی موت کی خبر دی گئی۔ کستور با کے لئے یہ واقعہ اور بھی دل شکن تھا کیونکہ گاندھی جی کی والدہ صاحبہ ہر طرح سے اُن کی رہنمائی کیا کرتی تھیں۔ گھر بھر ان کا دبا ؤ مانتا تھا اور دوسرے وہ دھارمک خیالوں کی تھیں۔ جب گاندھی جی ولائت میں تھے تو کستور با نے بہت سی باتیں اور خاص کر دھرم کی طرف متوجہ ہونا انھیں کی بدولت سیکھا تھا۔ گاندھی جی پہلے پہل بمبئی ہائی کورٹ میں بیرسٹری

کرنے لگے. مگر چھ ماہ تک کام کر کے چلے آئے. بیوی ساتھ نہ تھی. بمبئی میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور راجکوٹ واپس آگئے. وہاں البتہ کام خوب چلا۔ راجکوٹ میں گاندھی جی اور اُن کی بیوی اکٹھے رہے۔ مگر کبھی کبھی جھگڑا ہو ہی جاتا۔ چنانچہ وہاں کے متعلق گاندھی جی لکھتے ہیں: ؎

"میری اور میری بیوی کے تعلقات کچھ اچھے نہ تھے. اگرچہ میں ولایت بھی رہ کر واپس آیا، مگر حسد کا جذبہ بدستور رہا۔ چھوٹی چھوٹی بات پر میں بگڑ بیٹھتا اور میرے دل کی حالت عجیب اضطراب کی تھی. میں نے تو فیصلہ کیا ہوا تھا کہ بیوی لکھنا پڑھنا سیکھے اور میں خود اس کو پڑھاؤں، مگر شہوت کا جذبہ رکاوٹ بن جاتا تھا اور میری وجہ سے اُسے تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دفعہ تو جھنجھلا کر میں نے اپنی بیوی کو اس کے والدین کے گھر روانہ کر دیا اور میرا ارادہ تھا کہ جب تک وہ سیدھی نہ ہو جائے میں نے اُسے واپس نہ بُلانا تھا آخر مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ یہ سب میری ہی نادانی تھی

The Story of My Experiments with Truth. p. 116.

(۳)

ایک نئی زندگی کا پیش خیمہ

گاندھی جی کی وکالت ابھی راجکوٹ میں چلی ہی تھی کہ انھیں اپریل ۱۸۹۳ء میں ایک بڑے سوداگر (جس کی دکان جنوبی افریقہ میں تھی) کے مقدمہ کی پیروی کرنے کے لئے وہاں جانا پڑا۔ گاندھی جی اکیلے ہی گئے۔ مئی کے مہینے میں ڈربن کی بندرگاہ میں اترے اور پہلے ناٹال گئے اور پھر ٹرانسوال پہنچے۔ وہاں تین سال کے قریب یعنی ۱۸۹۵ء تک رہے۔ اس تین سال کے عرصے میں اُن کے خیالات وہاں کے حالات دیکھ کر بالکل بدل گئے۔

ایک[۱] مصنف لکھتا ہے کہ انگریزی راج میں رہ کر جس میں سب کے

---

۱ دیکھئے صفحہ ۲۷ پر:—

کے حقوق برابر تسلیم کئے جاتے ہیں اور ولائت میں چکر لگا کر جب گاندھی جی ناٹال گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہندوستانیوں سے افریقہ کے اصلی باشندوں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ گویا وہ اچھوت ہیں۔ جب یہ حالت دیکھی اور اُن سے بھی خود بدسلوکی ہوئی تو ہوش میں آئے اور اپنے فریضے کو سمجھے۔ جب ریل گاڑی میں سفر کرتے تو وہاں بدسلوکی، مار بھی کھائی، اُن ہوٹلوں میں جہاں سفید رنگ کے لوگ بود و باش کرتے تھے کالے ہندوستانیوں کو جگہ نہ ملتی تھی۔ ایک دفعہ مارٹزبرگ میں پولیس کے کانسٹیبل نے گاندھی جی کو ریل گاڑی سے دھکا دے دیا۔ گاڑی چل دی اور سردی بہت تھی۔ بیچارے سٹیشن پر ہی پڑے ٹھٹھرتے رہے۔ اسباب کہیں اور وہ کہیں۔ اُنھیں یہ جرأت نہ تھی کہ کسی سے کچھ دریافت کریں۔ ایسا نہ ہو کوئی بے عزتی کر دے، یا مار بیٹھے۔ گاندھی جی کو یہ بھی پتہ لگ گیا کہ ہندوستانیوں کو سٹیشن کے بڑے دروازے سے جانے کی اجازت نہ تھی اور ٹکٹ لینے میں بڑی دقّت کا سامنا ہوتا تھا سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ وہاں کی حکومت یہ سوچ رہی تھی کہ ایک ایسا قانون بنایا جائے کہ ہندوستانیوں کو ووٹ دینے کا حق نہ ہو۔

M. K. Gandhi, a Sketch of His Life and Career, p. 8.

جب گاندھی جی نے ناٹال کی عدالتِ مالیہ میں وکیل کے طور پر کام کرنا چاہا تو ان کی درخواست اس بنا پر نامنظور کر دی گئی کہ اُن کا رنگ سیاہ ہے اور سیاہ رنگ والا بیرسٹری نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کو دیکھ کر گاندھی جی نے ناٹال میں انڈین کانگرس قائم کر دی تاکہ جو ہندوستانی وہاں آباد ہوتے تھے۔ وہ مل کر اپنی شکایات پیش کر سکیں اور اُن کو رفع کرا سکیں۔ ۱۸۹۵ء کے نصف میں کانگرس کو قائم ہوئے ایک سال ہو چکا تھا اور تب ہی گاندھی جی کو واپس ہندوستان آنا پڑا۔ ان کا ارادہ تھا کہ جو ہندوستانی ناٹال میں آباد ہیں اُن کی حالت کا نقشہ کھینچ کر اُن کے ہم وطنوں کو اُن کی طرف متوجہ کرایا جائے۔ گاندھی جی کی وکالت بھی وہاں چل نکلی تھی۔ سو اُن کا ارادہ تھا کہ بیوی بچوں کو ساتھ لے کر وہ جنوبی افریقہ میں جا بسیں اسی لئے وہ ہندوستان آئے تھے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسی اثنا میں شریمتی کستوربا کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام منی لعل رکھا گیا۔ جو لڑکا پہلے ہوا تھا اس کا نام ہیرالعل تھا۔

گاندھی جی ۱۸۹۶ء کے نصف میں ہندوستان آئے تھے اور جب وہ کلکتہ میں تھے، تو ناٹال سے تار آیا کہ آپ واپس آؤ۔ اُس زمانے میں گاندھی جی ہندوستان کے مختلف صوبوں میں گئے اور بہت سے سرکردہ لوگوں سے ملے اور کچھ تقریریں بھی کیں جن میں ناٹال کے

سفید رنگ کے باشندوں کا ہندوستانیوں سے جو سلوک ہو رہا تھا اُس کے متعلق بتلایا۔ رائٹر نے جو خبریں جنوبی افریقہ میں شائع کیں اُن سے وہاں کے یورپین لوگ بڑے تلملائے۔

"گاندھی جی لکھتے ہیں کہ بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر جنوبی افریقہ جانا میرا پہلا سفر تھا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ کم سنی کی شادیوں کی وجہ سے اوسط درجے کے ہندوؤں میں خاوند تو پڑھا لکھا ہوتا ہے مگر بیوی بالکل ان پڑھ ہوا کرتی ہے۔ دونوں میں ایک بڑی خلیج حائل ہوا کرتی ہے، اور خاوند کو اکثر بیوی کو پڑھانا لکھانا ہوتا ہے۔ جنوبی افریقہ پہنچ کر مجھے یہ بھی خیال کرنا پڑا کہ میری بیوی کس طرح کی پوشاک پہنے۔ بچے کیا پہنیں اور ہم کس قسم کا کھانا کھائیں اور نئے ماحول میں کس طرح سے بود و باش کریں۔ ایک ہندو بیوی اپنے خاوند کا کہنا ماننے کو دھرم خیال کرتی ہے۔ اور ہندو خاوند تو اپنے آپ کو بااختیار مالک سمجھتا ہے اور یہ اُمید کرتا ہے کہ بیوی اس کی غلام ہو کر رہے۔

ہم لوگ مہذب خیال کئے جانے کی خاطر اس فیصلے پر پہنچے کہ ہمیں یورپینوں طریقے حتیٰ الامکان اختیار کرنے چاہیں۔ میرا خیال

تھا کہ ایسا کرنے سے ہی ہمارا کچھ رعب ہوگا اور اگر رعب نہ ہوا تو ہم اپنے ہم وطنوں کی کچھ خدمت نہ کر سکیں گے۔ میں نے بیوی بچوں کو بھی کہا کہ وہ بھی پوشاک بدل ڈالیں، بھلا مجھے یہ کب گوارا ہو سکتا تھا کہ لوگ ہمیں کاٹھیاواری بنئے کہیں، اس زمانہ میں پارسی لوگ ہندوستانیوں سب سے زیادہ مہذب خیال کئے جاتے تھے، ہم اگر پورے پورے یوروپین نہ بنے تو بھی ہم نے پارسی فیشن اختیار کیا میری بیوی نے تو پارسی لباس پہننا شروع کر دیا اور لڑکوں نے پارسیوں جیسے کوٹ اور پتلون بنوا لئے۔ جرابیں اور بوٹ تو ہر شخص کو پہننے ہی پڑتے تھے، البتہ بیوی بچّوں کو نیا طریقہ اختیار کرنے میں کچھ دیر لگی، بوٹ ذرا تنگی دیتے اور جرابوں کی وجہ سے پاؤں میں پسینے کی بدبو آنے لگتی۔ پاؤں کی انگلیاں درد کرنے لگ جاتیں میرے پاس بھی سب اس قسم کے اعتراضوں کے جواب کھڑے رہتے۔ مگر جوابوں سے بڑھ کر میرا ڈر ہی بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ اگر کہنا نہ مانتے تو کرتے بھی کیا۔ کھانے کے وقت چھری کانٹے کا استعمال انھیں اور بھی مشکل معلوم ہوتا۔ جب عادت پڑگئی تو البتہ چھوٹنی مشکل ہوگئی۔ مگر اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب کا ملمع ہمارے گلے کا کا ہار ہو گیا تھا اور جو مزا اپنے دیسی طریقوں میں ہے وہ اس وقت نہ تھا، اِن میں بڑی آزادی ہے۔

جب گاندھی جی بال بچوں سمیت جنوبی افریقہ میں پہنچے، تو

وہاں کے یورپین لوگوں پر اُن کے برخلاف زہریلے پراپیگنڈا کا اثر ہوچکا تھا، جو تقریریں گاندھی جی نے ہندوستان میں کی تھیں، اُن کی ٹوٹی پھوٹی رپورٹ نے یورپینوں کو بھڑکایا۔ دو جہاز ہندوستانی مزدوروں سے بھرے ہوئے ان ہی دنوں ناٹال میں آئے تھے لوگ یہ سمجھے کہ یہ ناٹال پر حملہ ہے، بھلا اُن کا گاندھی جی سے کیا واسطہ تھا؟ یورپین لوگ یہ سمجھے کہ یہ سب کام سیکھے ہوئے مزدور اُن کی جگہ لے لیں گے اور گاندھی جی اُن کو منگوا رہے ہیں ایسے خیال اس طریق سے پھیلائے گئے کہ مسٹر اسکومب جو وکلا میں بڑے سرکاری وکیل تھے وہ بھی یہی سمجھنے لگے۔ وہ خود ہی متاثر نہ ہوئے بلکہ انہوں نے سب یورپینوں کو بھی اس بات کا یقین دلا دیا۔ مزدوروں کے جہاز ۱۸ دسمبر کے قریب ساحل ڈربن پر لگے۔ ناٹال کی حکومت نے یورپینوں کے جذبات کو مدنظر رکھتے ہوئے دو جہازوں کو کوارنٹین[1] میں بھیج دیا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے مزدوروں کا ملاحظہ کیا تو انھیں پانچ دن کوارنٹین میں رہنا ہوگا۔ مگر جہاز ۲۳ دن تک وہیں پڑے رہنے اتنے عرصے میں یورپینوں کو اور موقعہ ملا کہ وہ ہندوستانیوں کے برخلاف زہر اُگلیں۔ مزدوروں سے کہا گیا کہ اگر تم نے اس مُلک میں پاؤں رکھا تو انجام اچھا نہ ہوگا بلکہ تمھیں سمندر میں دھکیل دیا جائے گا مگر

---

[1] Quarinteen.

جب یورپینوں نے دیکھا کہ مزدور اپنی ضد پر تُلے ہوئے ہیں اور ضرور
اُتریں گے تو جہاز والوں کو کہا کہ بھرے بھرائے جہاز واپس ہندستان
لے جاؤ بلکہ اُن سے تو یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اگر تم ایسا نہ کروگے تو تمہارا
سارا کاروبار بند کر دیا جائے گا۔ مگر جہاز والے بالکل نہ مانے۔
جہازوں کے وکیل مسٹر لاٹن نے بڑی بہادری سے کام لیا۔ اُس
نے ان کو مشورہ دیا کہ یہ بات مت مانو۔ اور کہا یورپینوں کی
یہ حماقت قابل نفرت ہے۔ چنانچہ ۲۳ دن کے بعد جہازوں
کو کوارنٹین چھوڑنے کی اجازت حکومت کی طرف سے مل گئی
جہاز والوں نے اُن افسروں کے برخلاف جو اس بات کے ذمہ
دار تھے عدالتی کارروائی کرنے کی دھمکی دی۔

۱۳ر جنوری ۱۸۹۷ء میں جہازوں نے مسافروں کو اتارا۔ اس
پر چند یورپین بہت بگڑے اور رکاوٹ ڈالنے لگے مگر اسکومب
صاحب نے انھیں سمجھایا۔ گاندھی جی کو کہلا بھیجا کہ آپ ابھی نہ آئیے
گا۔ شام تک بھیڑ کم ہو جائے گی تو آپ نے آنا۔ ابھی گاندھی جی
اس بات کو سوچ ہی رہے تھے کہ لاٹن صاحب ملنے آئے اور
انہوں نے صلاح دی کہ بال بچوں کو رستم جی کے ہاں چھوڑ دیجئے
اور خود میرے ساتھ چلئے۔ ڈربن کے بازاروں میں اس قدر ہجوم
تھا کہ وہاں سے گذرنا دشوار تھا۔ گاندھی جی کو لوگ ان کی پگڑی
سے پہچانتے تھے۔ چنانچہ چند یورپینوں نے انھیں اِن کا نام لیکر

پکارا اور بہت لوگ جمع ہو گئے۔ لافٹن صاحب سمجھ گئے کہ معاملہ خراب ہے۔ انہوں نے ایک رکشا کے قلی کو بلایا، لوگوں نے قلی کو سخت سُست کہا اور وہ بھاگ نکلا۔ ذرا آگے گئے ہی تھے کہ گاندھی جی اُس بڑے ہجوم میں لافٹن صاحب سے جُدا ہو گئے۔ پھر کیا تھا لوگ گاندھی جی پر اُمنڈ پڑے اُن پر پتھروں اور انڈوں کی بوچھاڑ برسائی گئی اور انھیں خوب مارا پیٹا۔ گاندھی جی بیہوش ہو گئے۔ پولیس سپرنٹنڈنٹ صاحب کی بیوی اتفاقاً وہاں سے گذری اُس نے گاندھی جی کو پہچان لیا اور انھیں بچایا۔ کسی نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کو خبر کر دی۔ وہ تھانے میں تھے۔ جلدی سے انہوں نے کانسٹبل روانہ کئے اور وہ گاندھی جی کو گھیرے گئے۔ انھیں سیٹھ رستم جی کے گھر پہنچنے میں کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ رات کو یورپینوں نے گھر کے گرد گھیرا ڈالا۔ جب گاندھی جی نے دیکھا کہ بچاؤ کی کوئی صورت نہیں اور رستم جی کے مال اسباب کو بھی عام لوگ لوٹ لیں گے وہ تو وہاں سے کنسٹبل کا بھیس بدل کر بھاگے اور تھانے پہنچے۔ جب پولیس سپرنٹنڈنٹ صاحب نے لوگوں کو یقین دلایا کہ گاندھی جی مکان میں نہیں ہیں تو لوگ واپس چلے آئے۔ کچھ دنوں بعد اسکوٹ صاحب نے انھیں بلا بھیجا، اور نو آبادیوں کے سکریٹری آف سٹیٹ کی طرف سے افسوس کا اظہار کیا بلکہ کہا کہ

Secretary of State for Colonies.

مجرموں کو سزا دی جائے گی۔ مگر گاندھی جی نے کہا کہ اب جانے دو۔

اس فصل کو بند کرنے سے پیشتر ہمیں کستوربا کے متعلق کچھ کہنا چاہیئے۔ انہوں نے ان واقعات میں بڑا حصہ لیا۔ چونکہ بڑی سمجھدار تھیں انہوں نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا۔ ہندوستانی اُن کے خاوند کی بڑی عزت کرتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے جنوبی افریقہ میں اپنے ہم وطنوں کی بڑی خدمت کی تھی۔ گاندھی جی نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں تقریریں کی تھیں۔ اس لئے وہ بڑے مشہور ہوگئے تھے۔ چنانچہ جب کستوربا جنوبی افریقہ گئیں تو انھیں معلوم تھا کہ ہندوستانی انھیں اچھی طرح خیر مقدم کہیں گے اور ان کا خیال تھا کہ سب ان کی قدر دانی کریں گے مگر سب کچھ اس کے اُلٹ ہوا۔ چنانچہ جو دن انہوں نے کوارنٹین میں گذارے وہ بڑے ہی پُرآزار اور تکلیف دہ تھے۔ انھیں معلوم ہوگیا کہ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ جس طریق سے گاندھی جی کے بیوی بچوں کو جہاز سے اتار کر رستم جی کے گھر لے جایا گیا وہ بھی انہوں نے دیکھا اور جو حالت زار گاندھی جی کی ہوئی وہ بھی دیکھی۔ چنانچہ انھیں یقین ہوگیا کہ اگر انھیں عزت کی زندگی گذارنی ہے تو سب مصائب اور تکلیفیں سہارنی ہوں گی۔ چونکہ کستوربا نڈر تھیں اس لئے بالکل نہ گھبرائیں اور نہایت ہی صبر سے کام لیا۔ درانحالیکہ گاندھی جی کو گھر سے جانا بھی پڑا۔ اور وہ بھی رات کے وقت۔ جو

اُن کے دل پر گذرا اس کو کون جان سکتا ہے۔ مگر جس استقلال سے انہوں نے کام لیا وہ سب نے بہت پسند کیا۔ جو وقت انہوں نے رستم جی کے گھر میں گذارا وہ قابلِ تحسین ہے کیونکہ وہ وہاں اکیلی تھیں اور گاندھی جی کی جان خطرے میں تھی۔

جس متانت سے گاندھی جی نے یہ سب بے حرمتی سہی اور جو جواب انہوں نے اسکوبٹ صاحب کو دیئے اُن سے یورپینوں نے اپنی غلطی کا احساس کیا۔ اخباروں نے عوام کے رویہ پر تنقید کی اور منافی بیانات [illegible] نے [illegible] ایک خط لکھا ہے) جب گاندھی جی سے ملاقات کی تو افسوس ظاہر کیا [illegible] مجھے ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا اور یہ بھی کہا کہ مجھے آپ کے اوصاف [illegible] اور آپ کے ہم وطنوں کی خلوصِ نیت کا اس وقت پتہ نہ تھا۔ اس کے کچھ گھنٹے بعد ہی اسکوبٹ صاحب دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔

(۴)

گھر میں ستیہ گرہ

جو وقت کستوربا نے گاندھی جی کے ساتھ گزارا وہ واقعات سے پُر ہے۔ ایک تو گاندھی جی پبلک معاملات میں حصّہ لیتے۔ اِس لئے بھی دوسرے خانگی معاملات میں بھی ہمیشہ گڑبڑ رہتی تھی۔ باوجود مشغولیت کے اور عدم فرصتی کے گاندھی جی خانگی معاملات میں دلچسپی لیتے رہتے۔ مثلاً بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرتے جب دیکھا کہ جنوبی افریقہ میں بچوں کی تعلیم اُن کے حسب منشا نہیں ہوتی تو بڑے لڑکے کو واپس ہندوستان روانہ کر دیا۔ جب دیکھا کہ لڑکے نے کچھ ترقی نہیں کی تو اُسے واپس بُلا لیا۔ باپ کے فرائض کے علاوہ گاندھی جی خاوند ہونے کی حیثیت میں بھی اپنا فرض

بجا لاتے تھے۔ بیوی کی صحت کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ جب بال بچہ ہونے والا ہوتا تو بہترین ڈاکٹر کو طلب کرتے۔ وہاں چونکہ ڈاکٹر اور دایا وغیرہ یورپین اور کالے ہندوستانی ڈاکٹر اور دایا بہت کم تھے اس لئے گاندھی جی نے زچہ کے متعلق سب کچھ مطالعہ کیا اور یہ سب علم جب اُن کے ہاں لڑکے ہوئے تو بڑا مفید ثابت ہوا۔

چونکہ مشغولیت زیادہ تھی اس لئے گاندھی جی نے اپنے آپ کو روکے رکھنے کو بہت مفید پایا۔ اُن کو معلوم ہو گیا کہ بچے پیدا کرتے جانا اور بعد میں بچوں کی تعلیم و تربیت پر وقت خرچ کرنا انھیں پبلک کاموں سے روک دے گا۔ چنانچہ انہوں نے بیوی کے ساتھ مشورہ کر کے شہوت پرستی سے پرہیز کرنے کی قسم کھا لی۔ یہ عمل تو ۱۹۰۱ء سے ہی شروع ہو گیا تھا مگر قسم ۱۹۰۶ء میں کھائی گئی۔

۱۸۹۷ء سے ۱۸۹۹ء تک بوئر لوگوں نے جو بغاوت کی اُس کے دبانے کے لئے گیارہ سو ہندوستانیوں کی فوج چالیس افسروں سمیت گاندھی جی نے طیار کروائی۔ اُن میں تین سو کے قریب آزاد ہندوستانی بھی شامل تھے۔ بعض لوگ بھرتی ہونے کے برخلاف تھے تو بھی گاندھی جی نے کہہ سن کر ان کو طیار کر ہی لیا۔ جو خدمات ہندوستانیوں نے سرانجام دیں۔ حکومت نے ان کی بڑی قدردانی کی اور ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ ہندوستانی

سب کے سب ایک جتھ کے اندر بندھ گئے۔ مزدوروں میں گاندھی جی کا نام بڑا مشہور ہو گیا اور اُنکے تعلقات بھی اچھے ہو گئے۔ خانگی زندگی میں البتہ کش مکش جاری رہی۔ جب گاندھی جی کستور با پر حکومت کرنے لگ جاتے تو وہ ہندو عورت کی طرح مان تو لیتی مگر ساتھ ہی دلائل دے کر مقابلے پر کھڑی ہو جاتی۔ اپنی خود نوشت سرگذشت میں گاندھی جی دو واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔ غور سے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کستور با ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے گاندھی جی کی زندگی کو خوش بخت اور قانع بنایا۔

ڈربن[1] میں ہمارا گھر انگریزی طریقہ کا بنا ہوا تھا۔ کمرے ایسے تھے کہ اُن میں گندے پانی کا نکاس نہ تھا۔ ہر کمرے میں پیشاب کرنے کے لئے ایک برتن رکھا رہتا تھا۔ ان برتنوں کو نوکر یا مہتر صاف نہ کرتا تھا۔ مجھے یا میری بیوی کو صاف کرنے پڑتے تھے۔ کلرک وغیرہ جو گھر میں رہتے تھے وہ بھی اپنے برتن خود صاف کیا کرتے تھے۔ ایک عیسائی کلرک ابھی گھر میں آیا ہی تھا اور اُس کا سونے کا کمرہ بھی ہمیں صاف کرنا ہوتا تھا۔ میری بیوی اور سب کے برتن صاف کر لیتی تھی مگر اس عیسائی کے برتن کو ہاتھ نہ لگاتی تھی۔ اس بات پر میرا بیوی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ نہ وہ

[1] The Story of My Experiments with Truth, p. 340.

مجھے برتن صاف کرنے دیتی اور نہ ہی خود کرتی۔
مجھے ابھی تک یاد ہے کہ میری بیوی نے مجھے کس طرح پھٹکارا اس کی آنکھیں غصہ سے بھر گیئں اور وہ زار زار رونے لگ گئی اور برتن اٹھائے سیڑھیوں سے اتر گئی۔ میں بھی بڑا بے رحم تھا۔ مگر مجھے بیوی کو سبق سکھلانا تھا۔ غرض میں نے اُسے بہت تنگ کیا مگر یہ سب کچھ محبت کی وجہ سے تھا۔
برتن کو لے جانا تو معمولی بات تھی۔ میں چاہتا تھا کہ بیوی اُسے خوشی سے صاف کرے۔ اس لئے میں نے زور سے کہا کہ اس گھر میں اس قسم کی بیہودگی گوارا نہ ہوگی۔ میری بیوی بڑی حاضر جواب تھی اور بول اُٹھی۔ یہ لو اپنا گھر۔ میں جاتی ہوں۔ یہ سنتے ہی میں آپے سے باہر ہوگیا اور رحم کو بالائے طاق رکھ کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹتا گھسیٹتا اُسے پھاٹک تک لے گیا۔ یہ پھاٹک سیڑھیوں کے سامنے ہی تھا۔ اور میں نے اُسے کھولا اور بیوی کو دھکا دیا۔ وہ زار زار رو رہی تھی اور چلا کر بولی۔ تمہیں شرم نہیں آتی۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ میں کدھر جاؤں۔ کیا یہاں میرے والدین یا رشتہ دار ہیں جو مجھے سمیٹ لیں گے؟ آخر میں تمہاری بیوی ہوں۔ میں یہ بدسلوکی کس طرح برداشت کرسکتی ہوں۔ خدا کے واسطے کچھ ہوش کرو۔ اور پھاٹک بند کردو۔ لوگوں کو تماشا نہ دکھلاؤ

میں گھبرایا تو نہیں مگر مجھے بڑی شرم آئی اور میں نے پھاٹک بند کر دیا۔ بیوی مجھے چھوڑ نہ سکتی تھی مگر میں بھی بیوی کو چھوڑ نہ سکتا تھا۔ کئی دفعہ جھگڑا ہو جاتا مگر آخر صلح ہو جاتی۔ میری بیوی چونکہ بے حد بُردبار اور متحمل مزاج تھی۔ آخر جیت اُسی کی ہوتی تھی۔

چونکہ اس واقعہ کو مدت گذر گئی ہے میں نے بلا تامل بیان کر دیا، وہ زمانہ گیا۔ اب میری وہ حالت نہیں۔ وہ نادانی کا وقت تھا۔ اب مجھے بیوی کو کچھ سکھلانا نہیں۔ اب کستوربا مجھے جو مرضی ہے کہے مجھے غصہ نہیں آتا۔ اب ہم ایک دوسرے کو خوب سمجھ گئے ہیں اور وہ جوش جوانی بھی نہیں رہا۔ جب کبھی میں بیمار ہوا ہوں، کستوربا میری تیمارداری کرتی رہی ہے اور بغیر کسی عوضانہ کے میری خدمت کرتی رہی ہے۔ یہ واقعہ ۱۸۹۸ء کا ہے اس وقت مجھے برمھچریہ کی قدر معلوم نہ تھی، میں بیوی کو خاوند پرستی کا آلہ سمجھتا تھا خاوند جو چاہے سو کرے۔ مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ بیوی ایک طرح خاوند کی رفیق اور مددگار ہوتی ہے اور اس کے خوشی اور رنج میں شریک رہتی ہے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اُس سے کوئی شخص یہ نتیجہ نہ نکالے کہ میں اور میری بیوی ایک بے مثل جوڑا ہیں اور

ہمارا نصب العین بھی ایک ہی ہے۔ شاید کستوربا کو معلوم ہے کہ اس کا اپنا کوئی نصب العین ہے ہی نہیں۔ اور فی الواقعہ میری بہت سی حرکتیں اُسے پسند بھی نہیں۔ ہم دونو کبھی بحث مباحثہ نہیں کیا کرتے۔ ایسا کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کستوربا کو اس کے والدین نے کوئی تعلیم نہ دی تھی اور نہ ہی میں اُسے کچھ سکھلا سکا۔ وقت ہاتھ سے جاتا رہا۔ مگر اس میں ایک بڑی بھاری صفت تھی اور وہ صفت قریب قریب سب ہندو عورتوں میں پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جی چاہے یا نہ چاہے۔ بے خبری سے یا جانتے ہوئے۔ بیوی کی خوشی اسی بات میں ہوتی ہے کہ وہ خاوند کے نقش قدم پر چلے اور جس طرح میں ضبط کی زندگی گذارنا چاہتا تھا وہ اس میں سدراہ نہ بنے۔

اگرچہ مجھ میں اور میری بیوی میں دماغی لحاظ سے بڑا فرق تھا۔ پھر بھی مجھے اس بات کا احساس ہے کہ ہم دونو کی زندگی بڑی قناعت اور خوشی اور ترقی کی زندگی تھی "۔

مذکورہ بالا واقعہ یہ جتلاتا ہے کہ گاندھی جی اپنی زندگی کو پہلے سے بہتر بنانے میں کوشاں رہتے تھے۔ بیوی پرانے طریقوں پر چلنا چاہتی مگر وہ اُسے زور سے روکتے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

چونکہ گاندھی جی رفاہ عام کے لئے سچے دل سے کام کرتے تھے اُن کا شروع سے یہ اصول تھا کہ پبلک کی خدمت کرتے ہوئے کوئی عوضانہ

نہ لینا چاہئے۔ یہ خدمت بغیر کسی غرض کے کرنی چاہیئے۔ اگر لوگ کچھ دیں بھی تو وہ سب کچھ رفاہ عام کے لئے خرچ ہونا چاہئیے۔ چنانچہ جب گاندھی جی واپس ہندوستان آنے لگے تو لوگوں نے بہت کچھ نذر کیا۔ مگر وہ اُسی بلند اصول پر کاربند رہے۔ کسی چیز کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اس وقت کستوربا اس اصول کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں اور انہوں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے۔ جو چیزیں لوگ ہم کو دیتے ہیں وہ ہماری نہ ہونی چاہئیں، گاندھی جی اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

> اوّل ہی اوّل جب میں جنوبی افریقہ سے ہندوستان آیا تھا اور وہ ۱۸۹۶ء میں تھا۔ تب بھی لوگوں نے بہت سی چیزیں نذرانے کے طور پر دی تھیں۔ مگر اب کے تو حد ہی ہو گئی۔ سونے اور چاندی کی بنی ہوئی اشیاء کے علاوہ ہیرے اور جواہرات بھی ملے۔ بھلا مجھے یہ سب کچھ لینے کا کیا حق تھا؟ اگر لے لیتا تو یہ پبلک کی خدمت بلا عوضانہ کس طرح ہوتی؟ سب تحفے وغیرہ سوائے ان چیزوں کے جو موکلوں نے دیں وہ تو میری قومی خدمات کے سلسلہ میں تھیں۔ بھلا میں موکلوں میں اور عوام میں کیوں فرق کرتا؟ پبلک کی خدمت کرنے میں دونوں نے میری مدد کی تھی۔

The Story of My Experiments with Truth, p. 372.

تحفوں میں ایک سونے کی زنجیر بھی تھی جو میری بیوی کے لئے
مخصوص تھی، مگر پبلک خدمات کے سلسلے میں ہمیں ملی تھی۔ فرق کس
طرح کیا جاتا؟ جس دن یہ سب چیزیں ہمیں دی گئیں اُس رات
مجھے نیند نہ آئی۔ میں رات بھر کمرے میں گھومتا رہا اور بڑا بےچین
رہا۔ یہ مشکل حل نہ ہوتی تھی۔ ایک طرف سینکڑوں روپے کے تحفے
تھے۔ مگر دل نہ مانتا تھا۔ کروں تو کیا کروں، میں تو بھلا رکھ ہی
لیتا۔ بیوی بچوں کا ان میں کیا حق تھا۔ انھیں تو سکھلانا تھا کہ پبلک
کی خدمت عوضانہ کے بغیر کرنی چاہیئے۔ ہمارے گھر میں زیور بھی نہ
تھے اور ہم تو سادہ زندگی گذار رہے تھے۔ ہم بھلا سونے کی گھڑیوں
کو کیا کرتے؟ سونے کی زنجیریں اور ہیروں کی انگوٹھیاں ہمارے
کس کام کی۔ میں تو لوگوں سے بار بار کہتا تھا کہ زیور پہننا چھوڑ دو
اب میں زیورات کو کیا کرتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ایسی چیزوں
کی ضرورت نہیں۔ اس لئے میں نے ایک ٹرسٹ[۵۱] مقرر کر دیا جو
ان سب چیزوں کو سنبھالے اور سیٹھ رستم جی اور چند اور
شخصوں کو ٹرسٹی[۵۲] مقرر کر دیا۔

صبح اُٹھتے ہی میں نے بیوی بچوں سے مشورہ کیا اور آخر کار اس
بوجھ کو سر سے اتار پھینکا۔ مجھے معلوم تھا کہ بیوی اصرار کریگی

---

۵۱ Trust. ۵۲ Trustees.

اور بچے ان لیں گے۔ سو میں نے بچوں کو اپنا وکیل بنا لیا۔ وہ جھٹ سے میری طرف ہو گئے اور کہنے لگے ہم زیوروں کو کیا کریں گے؟ یہ تو لوگوں کا مال ہے اُن ہی کو ملنا چاہیئے۔ ہمیں ضرورت ہوگی تو ہم خود خرید لیں گے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ تب میں نے اُن سے کہا کہ اپنی ماں کو سمجھاؤ۔ وہ بچے اس بات پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے یہ ہمارا ہی کام ہے۔ بھلا ماں کو زیوروں کی کیا ضرورت ہے؟ اُس نے آخر ہمیں ہی دے دینے ہیں۔ جب ہم نہیں لینا چاہتے تو اُس نے ان کو کیا کرنا ہے۔ مگر یہ کیسے ہوتا؟ میری بیوی کہنے لگی تمہیں ضرورت نہ ہوگی۔ مانا کہ بچوں کو بھی زیوروں کی ضرورت نہیں۔ وہ تو آپ کے اشارے پر چلیں گے۔ میں تو نہ پہنوں گی۔ مگر بچوں کی بیویاں تو پہنیں گی۔ کیا معلوم کل کو کیا ہونا ہے؟ میں تو ان چیزوں کو لے ہی لونگی۔ لوگوں نے کس محبت سے ان چیزوں کو ہمیں دیا ہے! چنانچہ ایسی دلیلوں کی بھرمار ہونے لگی۔ آخر رونے تک نوبت آ پہنچی، مگر بچے بالکل نہ مانتے تھے اور مجھ پر تو کوئی اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ میں نے نرمی سے کہا لڑکوں کی ابھی شادیاں ہونی ہیں۔ ابھی تو وہ بچے ہی ہیں جب جوان ہو جائیں گے خود شادی کر لیں گے اور کیا معلوم ان کی بیویاں زیور پہننا پسند بھی کریں گی یا نہیں؟ اگر بالفرض ضرورت بھی پڑی تو میں تو ہوں ہی۔ اس وقت نیند وست

کر دیا جائے گا۔"

بیوی بول اُٹھی، تب آپ کو پوچھیں گے۔ مجھے معلوم ہے آپ کس طرح کے شخص ہو۔ آپ نے تو میرے سب زیور اُتروا دئے تھے۔ اور مجھے آرام سے جینے نہ دیا۔ بھلا آپ لڑکوں کی بیویوں کے لئے زیورے دیں گے؟ آپ تو ابھی سے انھیں سادھو بنا رہے ہو۔ میں تو یہ زیور ہرگز واپس نہ دونگی اور یہ ہار تو مجھے ہی دیا گیا ہے۔ میں نے اسی وقت کہا کہ کیا یہ آپکی خدمت کا ع[illegible] کر مانا آپ کی خدمات کا۔ مگر اس میں فرق ہی کیا ہے۔ میں بھی تو دن رات آپ کی خدمت کرتی ہوں۔ وہ کسی گنتی میں بھی نہ ہوئی۔ آپ کے گھر ہر قسم کے لوگ آتے جاتے تھے میں ان کی بھی خدمت کرتی تھی اور ساتھ ہی آپ مجھ رُلاتے بھی رہتے تھے۔

اس قسم کے طعنے مجھے دئے گئے اور میرے سینے میں زخم ہو گئے مگر میرا پکا ارادہ تھا کہ زیور واپس کر دئے جائیں اور میں نے اپنی بیوی سے یہ بات منوالی۔ ۱۸۹۶ء اور ۱۹۰۱ء والے نذرانے سب لوٹا دیئے گئے۔ ایک ٹرسٹ[۵] بنا دیا گیا اور سب

۵ Trust.

زیورات بنک[1] میں جمع کرا دیئے گئے۔ اور رفاہ عام کے لئے خرچ کئے گئے۔ البتہ میری مرضی اور ٹرسٹیوں کی اجازت سے یہ سب کچھ ہوا۔ جب مجھے رفاہِ عام پر کچھ خرچ کرنا پڑتا اور میں چاہتا کہ ٹرسٹ سے روپیہ نکلواؤں تو جھٹ روپیہ جمع ہو جاتا۔ اور ٹرسٹ کا روپیہ ویسا ہی بنا رہتا۔ وہ فنڈ[2] ابھی تک موجود ہے اور ضرورت کے وقت خرچ بھی ہوتا رہتا ہے اور بڑھتا بھی جاتا ہے۔

پھر مجھے کبھی پچھتاوا نہیں ہوا کہ میں نے ایسا کام کیوں کیا۔ بلکہ آہستہ آہستہ میری بیوی بھی سمجھ گئی کہ اچھا ہی ہوا۔ ہم کئی طرح کی آزمائشوں سے بچ گئے۔ میرا پختہ خیال ہے کہ پبلک کام کرنے والوں کو قیمتی نذرانے منظور نہیں کرنے چاہئیں۔"

گاندھی جی بال بچوں سمیت ۱۹۰۱ء میں واپس ہندوستان آئے انھیں راجکوٹ چھوڑ کر خود دسمبر کے مہینے میں اکیلے کلکتہ جانا پڑا۔ وہاں انڈین نیشنل کانگرس کا اجلاس تھا۔ گاندھی جی نے ہندوستانیوں کے متعلق جو جنوبی افریقہ میں آباد ہیں ایک رزولیوشن[3] پیش کیا۔ وہاں سے جب واپس آئے تو راجکوٹ

---

[1] Bank.

میں رہتے رہے پھر بمبئی چلے گئے۔ وہاں فورٹ میں دفتر رکھا اور خود گیر گام میں رہنے لگے۔ وہ گھر اچھا نہ تھا اس لئے چھوڑنا پڑا۔ پھر سینٹا کروز میں بمبئی کے باہر ایک بنگلہ لے لیا۔ دس ہزار روپیہ کا زندگی کا بیمہ کرا لیا۔ بعد میں جب خیال بدل گیا تو کمپنی کو قسط دینی بند کر دی۔ "گاندھی جی کا خیال تھا کہ بیمہ کرانے سے بچے بڑے ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا نہیں سیکھیں گے۔"

ابھی بمبئی میں بہت دیر نہ رہے تھے کہ جنوبی افریقہ سے تار آیا کہ فوراً واپس آ جاؤ۔ چنانچہ گاندھی جی اکیلے روانہ ہو گئے۔ اس وقت جو ان کی حالت تھی وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

بیوی بچوں سے جدا ہونا اور بنے بنائے گھر کو چھوڑنا اور تشویش میں پڑنا بڑا ہی ناگوار گذرا۔ مگر مجھے معلوم تھا کہ میری زندگی میں گردش ہے۔ اس دنیا میں یک رنگی تو ممکن ہی نہیں اور اگر کوئی چیز قائم بالذات ہے تو وہ صرف پرماتما یعنی حقیقت ہے۔ سب چیزیں تغیر پذیر ہیں اور ان میں ثبات نہیں، البتہ کون و مکاں کی تہ پر ایک بڑی حقیقت

Fund: Resolution. (صفحہ ۴۶)

کارفرما ہے اور اگر وہ کسی کے ہاتھ آجائے تو مبارک ہے
وہ شخص ۔ پھر کیا ہے زندگی کا مقصد حاصل ہوجاتا ہے۔"
ابھی جنوبی افریقہ میں گئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی گذرا تھا کہ
ٹرانسوال کی عدالت عالیہ میں گاندھی جی بیرسٹروں کی فہرست
میں شامل ہوگئے اور وہاں بود و باش کرنے لگے اور بعد میں
بیوی اور بچوں کو بھی وہاں ہی بلا لیا۔

The Story of My Experiments with Truth, p. 321,
Ibid, p. 308.

(۵)

جنوبی افریقہ میں زندگی

جنوبی افریقہ میں گاندھی جی نے ۱۹۰۴ء میں ایک مقام فینکس پر ایک بستی آباد کرنی شروع کی۔ اسی جگہ سے ایک اخبار انڈین اوپینین[1] نکالنے کا بندوبست کیا۔ گاندھی جی کو اس بستی کے بسانے کا بڑا ہی شوق تھا، مگر وہ وہاں دیر تک نہ ٹھہر سکے۔ انھیں جوہانسبرگ جانا پڑا مگر ان کی غیر حاضری میں بھی کام چلتا رہا، گاندھی بستی کے متعلق لکھتے ہیں:[2]

اس غرض سے کہ بستی میں رہنے والے محنت مزدوری کر کے

[1] "Indian Opinion."

[2] The Story of My Experiments with Truth, p. 372.

اپنی روزی کمائیں۔ ہم نے تین تین ایکڑ زمین کے ٹکڑے چھاپے خانے کے ارد گرد بنا دیئے۔ ایک زمین کا ٹکڑا میرے حصہ آیا۔ ہر ایک ٹکڑے میں ہم نے ٹین کی چھتیں ڈال کر مکان بنائے، ہمارا اصلی منشا تو یہ تھا کہ کچے مکان بنوالیں اور اُن پر پھوس کی چھتیں ڈال دیں۔ یا پکی اینٹوں کے مکان ہوں وہ بھی ایسے جن میں کسان لوگ رہتے ہوں مگر ایسا نہ ہو سکا اُن پر خرچ بہت آتا تھا اور وقت بھی زیادہ لگتا تھا۔ تاہم سب چاہتے تھے کہ جلدی سے بستی میں جا بسیں۔

جوہانسبرگ میں گاندھی جی نے اپنے گھر میں رہنے کا سادہ طریقہ اختیار کیا۔ کستوربا بھی اُسی طرح رہنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ بچوں اور خاوند کو آٹا پیسنے میں مدد دیتی تھی۔ جب پولاک صاحب نے جو اُسی گھر میں رہتے تھے شادی کرلی تو کستوربا اُن کی بیوی کو بڑے آرام سے رکھتی تھی اور اُسے کبھی محسوس نہ ہونے دیتی تھی کہ وہ ایک اجنبی عورت ہے

گاندھی جی لکھتے ہیں:۔

"اگر کبھی میری بیوی اور پولک صاحب کی بیوی میں جھگڑا بھی

The Story of My Experiments with Truth, p. 377.

ہو جاتا تو وہ ویسا ہی ہوتا جس طرح سب گھروں میں ہو جایا کرتا ہے"۔
جب گاندھی جی کے ایک اور دوست مسٹر ویسٹ کی شادی ہوئی
تو ان کی بیوی بھی گھر میں بڑی خوشی سے رہتی رہی"۔
جب جنوبی افریقہ میں ظلوؤں نے بغاوت کی تو گاندھی جی نے
حکومت برطانیہ کی ہر طرح سے مدد کی اور ہندوستانیوں کا ایک
دستہ ریڈکراس[1] کے کام کے لئے طیار کیا۔ کستوربا نے بھی گاندھی جی
کو مشورہ دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی۔ جوہانسبرگ کو چھوڑ کر گاندھی
جی کا ارادہ تھا کہ فینکس میں چلے جائیں اور کستوربا وہاں رہے۔
شاید گاندھی جی کو دستے کے ساتھ جانا ہو، کستوربا نے بھی یہ تجویز
بڑی خوشی سے قبول کی۔ ویسے بھی اُس نے ایسی باتوں میں کبھی مداخلت
نہیں کی۔ کستوربا کی گاندھی جی بڑی تعریف کرتے ہیں
چنانچہ وہ فینکس چلی گئی اور گاندھی جی ڈاکٹر بن گئے اور وہاں
ایک بڑا دستہ طیار کیا۔ گاندھی جی فوج کے ساتھ میدان جنگ میں گئے
اور جنگ کی خونریزی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا، گاندھی جی
بڑی سوچ میں پڑ گئے، اگرچہ وہ جنگ کے بڑے برخلاف تھے پھر
بھی اُن کو یہ خیال تھا کہ وہ ظلو زخمیوں کی خدمت کر رہے ہیں۔
اور اگر اُن کی مرہم پٹی نہ کی جاتی تو بہت سے مر جاتے۔
جونہی بغاوت ختم ہو گئی گاندھی جی نے مجرد رہنے کا ارادہ کیا
سنہ ۱۹۰۰ء سے وہ اس قسم کی زندگی کی طیاری کر رہے تھے اور

[1] Red Cross.

سنہ ۱۹۰۶ء کے نصف میں اُنہوں نے قسم بھی کھالی۔ کستور بانے بالکل کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ خوشی سے گاندھی جی کی مرضی پر عمل کرنے لگ گئی۔ جیسا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور آگے چل کر بھی بتلائیں گے کستور با ایک مستقل مزاج عورت تھی جب ایک دفعہ یقین ہو جاتا کہ یہ بات درست ہے تو اس پر ثابت قدم رہنے کے لئے جان تک حاضر کر دیتی۔ عقیدے کے لئے تو خوشی سے مرنے کو طیار ہو جاتی گاندھی جی اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں۔

"تین دفعہ اپنی زندگی میں میری بیوی اتنی سخت بیمار ہوئی کہ مرتے مرتے بچی۔ علاج بھی گھریلو ہی ہوا کرتا تھا۔ جب پہلی دفعہ بیمار ہوئی۔ تو میں نے ستیہ گرہ شروع کیا تھا۔ اُس وقت اُسے خون بڑا آتا تھا۔ ایک ڈاکٹر جو میرے دوست تھے انہوں نے آپریشن[1] کرنے کی صلاح دی۔ پہلے تو میری بیوی ذرا گھبرائی پھر مان گئی۔ کمزور بہت تھی اور ڈاکٹر صاحب کی رائے تھی کہ کلوروفارم[2] نہ سنگھایا جائے۔ آپریشن تو ہو گیا مگر درد بڑی سخت ہوئی۔ مگر تھی بڑی بہادر برداشت کر گئی ڈاکٹر صاحب اور ان کی بیوی تن دہی سے خدمت کرتے رہے یہ ڈربن کا واقعہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے جوہانسبرگ

---

[1] Operation. [2] Chloroform.

جانے کی اجازت دے دی اور کہہ دیا کہ بیوی کا کوئی فکر مت کرو۔

چند روز نہ گذرنے پائے تھے کہ مجھے ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ کستوربا کی حالت خراب ہے بڑی کمزور ہو گئی ہے اور بستر سے اٹھ نہیں سکتی بلکہ ایک دفعہ تو بے ہوش بھی ہو گئی تھی ڈاکٹر صاحب کو یہ بھی معلوم تھا کہ میری اجازت کے بغیر میری بیوی کو شراب یا گوشت نہیں دینا۔ مجھے ٹیلیفون[1] کیا اور اجازت چاہی کہ گائے کے گوشت کا پانی دے دیا جائے، میں نے اجازت نہ دی مگر کہا کہ البتہ اگر بیوی چاہے تو جو اس کا جی چاہے سو کرے۔

ڈاکٹر نے کہا کہ مریض کو اپنی مرضی پر کیوں چھوڑا جائے۔ مجھے بلا بھیجا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر مجھے مریض کا علاج حسب منشا، نہیں کرتا تو میں آپ کی بیوی کے جیتے رہنے کا ذمہ نہیں لے سکتا۔ میں اسی دن ڈربن روانہ ہو گیا اور ڈاکٹر صاحب سے ملا انہوں نے مجھ سے اسی وقت کہا کہ گائے کے گوشت کا پانی تو میں نے آپ کی بیوی کو ٹیلیفون کرنے سے پہلے ہی دے دیا تھا۔ میں نے جواب میں کہا۔ ڈاکٹر صاحب یہ تو دھوکہ بازی

---

[1] Telephone.

ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مریض کو دوا دینا یا خوراک کے
طور پر کوئی چیز دینا اس میں کیا برائی ہے بلکہ ہم ڈاکٹر لوگ ایسا
کرنا کوئی برائی نہیں سمجھتے۔ اگر مریض کی جان بچتی ہو تو ایسا کرنے
سے کیا مضائقہ۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات ذرا زور سے کہی۔
مجھے دُکھ تو بہت ہوا مگر میں چپ ہی رہا۔ ڈاکٹر صاحب ایک
تو اچھے آدمی تھے دوسرے میرے دوست بھی تھے۔ انہوں
نے اور اُن کی بیوی نے مجھ پر بڑا احسان کیا تھا۔ مگر مجھے اُن
کے ڈاکٹری اخلاق سے بالکل ہمدردی نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب
سے میں نے کہا تو اب کیا کرنا چاہیے۔ میں تو اپنی بیوی کو گائے
کا گوشت یا کوئی اور قسم کا گوشت کبھی نہ کھانے دیتا چاہے
وہ مر ہی جاتی۔ ہاں اگر وہ خود کھا لیتی تو اور بات تھی۔

ڈاکٹر صاحب کہنے لگے آپ فلسفہ مت بھگاریئے۔ جب
تک آپ کی بیوی میرے زیر علاج ہے میں اُسے جو جی چاہے
کھانے کو دوں۔ اگر آپکو یہ بات پسند نہیں تو آپ اپنی بیوی
کو یہاں سے لے جائیے۔ میرے گھر میں کیوں مرے؟ گاندھی
جی نے کہا، ڈاکٹر صاحب آپ کی مرضی ہے کہ میں اُسے ابھی
یہاں سے لے جاؤں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں نے کب
آپ سے کہا ہے کہ اُسے ابھی یہاں سے لے جاؤ۔ میرا مطلب
یہ ہے کہ مجھے آزاد کر دو۔ اگر آپ ایسا کر دوگے تو میں اور

میری بیوی آپ کی بیوی کی پوری طرح حفاظت کریں گے اور آپ بے فکر ہوکر واپس چلے جائیے۔ اگر یہ سادہ سی بات آپکی سمجھ میں نہیں آتی تو مجبوراً مجھے یہ کہنا ہی پڑے گا کہ آپ اپنی بیوی کو یہاں سے لے جائیے

میرے بیٹوں میں سے ایک میرے ساتھ ہم رائے تھا۔ وہ بھی یہی کہتا تھا کہ ماں کو گائے کے گوشت کا پانی نہیں دینا چاہئیے۔ پھر میں نے کستوربا کے ساتھ اِس معاملہ کا ذکر کیا۔ وہ تھی تو بہت ہی کمزور اور اُس سے مشورہ کرنا بھی ضروری نہ تھا۔ مگر میں نے اپنے فرض کو نبھانا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ جو باتیں ہوئیں وہ میں نے سب کھول کر بتا دیں کستوربا نے بڑے زور سے کہا کہ میں گائے کے گوشت کا پانی نہیں پیوں گی۔ انسانی جامے میں جنم لینا تو ایک ہی بار ہوتا ہے۔ میں تو آپ کے سامنے مر جاوں گی مگر اپنے جسم کو ناپاک نہ کرونگی میں نے بہت سمجھایا۔ اور کہا کہ میرے کہنے پر مت چلو۔ بہت سے ہندو دوستوں وغیرہ کی مثالیں پیش کیں جو دوا کے طور پر شراب اور گوشت بھی کھاتے رہے ہیں مگر وہ نہ مانتی تھی اس نے اصرار کیا کہ مجھے یہاں سے لے چلو مجھے اس بات کی خوشی تو ہوئی مگر بڑے اضطراب کی حالت میں میں نے اُسے وہاں سے لے جانے کا ارادہ کیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب

سے بھی کہہ دیا کہ کستور با یہاں سے جانا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بڑے غصہ سے کہا کہ تم عجیب بے ڈھب آدمی ہو۔ ایسی کمزوری کی حالت میں تم نے یہ سب بات اپنی بیوی سے کیوں کہہ ڈالی۔ میرے خیال میں آپ کی بیوی بہت کمزور ہے اور ابھی جانے کے قابل نہیں۔ ذراسی حرکت ہونے سے بھی خرابی ہو جائے گی۔ کیا معلوم ہے لے جاتے ہی راستہ میں مر جائے اگر آپ ضد کرتے ہیں تو لے جائیے۔ اگر آپ اسے گائے کے گوشت کا پانی دینے کے لئے تیار نہیں تو میں اُسے ایک دن بھی اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔

ہم نے ڈاکٹر صاحب کا گھر چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ اُس وقت ذرا بارش ہو رہی تھی اور سٹیشن بھی دُور تھا۔ ڈربن سے ہم فنیکس ریل گاڑی سے جانا تھا اور ہماری بستی سٹیشن سے ۲٫۷ میل کے فاصلہ پر تھی۔ کستور با بیمار تھی۔ میں نے کسی کے ہاتھ مسٹر ویسٹ کو پہلے ہی کہلا بھیجا کہ ہمیں سٹیشن پر لینے آئے اور ساتھ ایک ڈولی اور چھ حمال اٹھانے کے لئے گرم دودھ کی بوتل اور ایک گرم پانی کی بوتل لیتا آئے۔ ہم نے چلتے وقت ایک رکشا بھی لے لی اور کستور با کو اُسی میں لے گئے۔ میری بیوی ذرا نہ گھبراتی تھی بلکہ مجھ سے کہتی تھی کہ کچھ نہیں ہو گا تم مت گھبراؤ وہ بڑی کمزور ہو گئی تھی، اُس کی

ہڈیاں نکل آئی تھیں۔ پلیٹ فارم بڑا لمبا چوڑا تھا۔ رکشا اندر جا نہ سکتی تھی اور بہت سا فاصلہ پیدل جانا ہوتا تھا۔ میں نے کستوربا کو گود میں اُٹھا لیا اور گاڑی میں بٹھلا دیا۔ فینکس پہنچ کر ڈولی میں لے گئے اور پانی والے علاج سے وہ روز بروز اچھی ہوتی چلی گئی۔

ابھی ہمیں فینکس میں پہنچے دو تین دن ہی ہوئے تھے کہ ایک سوامی جی وہاں پہنچ گئے انہوں نے کہیں سے سُنا تھا کہ ہم نے ڈاکٹری علاج کو گوشت وغیرہ کی وجہ سے بند کر دیا ہے۔ جب سوامی جی ہمارے ہاں آئے تو میرے بیٹے منی لعل اور رام داس دونوں وہاں موجود تھے۔ سوامی جی کہنے لگے کہ گوشت کھانا دھرم کے نقطۂ نظر سے بُرا نہیں ہے اور منو کا حوالہ دینے لگے۔ مجھے ان کی یہ بحث خاص کر کے کستوربا کے سامنے بالکل پسند نہ تھی۔ مگر میں چپ ہی رہا۔ مجھے منوسمرتی کے حوالے معلوم تھے میرے دل پر اُن کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ وہ منتر بعد میں منوسمرتی میں شامل کر دئے گئے تھے۔ اور اگر یہ بات بھی نہ تھی تو بھی میری رائے تھی کہ سبزیوں وغیرہ کا کھانا گوشت کھانے کی نسبت بہت بہتر ہے اور میری بیوی کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ وہ منوسمرتی کے منتروں سے بالکل بے خبر تھی۔ جو باپ دادا مانتے آئے تھے اُس کے لئے وہی کافی تھا۔ میرے لڑکے بھی میرے ساتھ اتفاق کرتے۔ انہوں نے سوامی جی کی باتوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔

کستورباؒ بول اُٹھی۔ سوامی جی آپ کچھ بھی کہویں تو گائے کے گوشت کا پانی ہرگز نہ پیونگی میں اچھی ہوں یا نہ ہوں۔ آپ زیادہ مت بولو۔ میرے فاو نداور بچوں سے بحث کرتے رہو۔ مجھے کچھ نہ کہو۔ میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔

جن دنوں گاندھی جی جنوبی افریقہ میں رہتے تھے اُن دنوں کا ذکر کرتے ہوئے ستیہ گرہ کے متعلق ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس کی یاد نہایت ہی خوش کُن ہے۔ لکھتے ہیں۔

"آپریشن کے بعد جب کستورباکو کچھ آرام آیا تو تھوڑے دنوں بعد پھر خون آنے لگا۔ مستقل طور پر بیماری اچھی نہ ہوئی تھی۔ پانی کا علاج بھی کافی نہ تھا۔ ایک تو میری بیوی کو میرے علاج پر بھروسہ نہ تھا اگرچہ وہ علاج کرتی بھی جاتی تھی۔ اور کوئی علاج بھی نہ کرتی تھی۔ جب مجھے کامیابی نہ ہوئی تو میں نے اُس سے کہا کہ دال اور نمک کھانا چھوڑ دو۔ مگر وہ نہ مانتی تھی۔ میں نے بہت سمجھایا اور دلیلیں بھی دیں۔ آخر کہنے لگی کہ اگر آپ سے کہا جائے کہ ان چیزوں کو چھوڑ دو۔

The Story of My Experiments with Truth p. 394—397.

تو آپ بھی نہ چھوڑو گے۔ مجھے یہ سُن کر دُکھ بھی ہوا اور خوشی بھی ہوئی خوشی اس بات کی ہوئی کہ مجھے اپنی محبت کا ثبوت دینا پڑا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تم غلط کہتی ہو۔ اگر میں بیمار ہوتا اور ڈاکٹر مجھے کہتا کہ ان چیزوں کو چھوڑ دو۔ یا کسی اور چیز کے چھوڑنے کے لئے کہتا تو میں فوراً مان جاتا۔ ابھی لو۔ اگرچہ ڈاکٹر نے بھی مجھے نہیں کہا۔ میں ایک سال کے لئے دال اور نمک کھانا چھوڑ دیتا ہوں۔ تمہاری مرضی ہے تم چھوڑو یا نہ چھوڑو۔

کستوربا حیران ہوئی اور سرد آہ بھر کر کہنے لگی۔ مجھے معاف کرو۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں آپ کو اسطرح رنجیدہ نہ کرتی۔ آئندہ ایسا نہ کروں گی۔ خدا کے واسطے اپنی قسم واپس لے لو۔ یہ میرے لئے بڑا سخت ہے۔

گاندھی جی کہنے لگے کہ اگر تم اِن چیزوں کا کھانا چھوڑ دو تو بلاشبہ تم بڑی جلدی اچھی ہو جاؤ گی۔ میں تو اب قسم واپس نہ لوں گا۔ اور مجھے تو ہر حالت میں فائدہ ہی ہوگا۔ جس طرح بھی انسان نفس کشی کرے اس میں فائدہ ہی ہوتا ہے۔ مجھے رہنے دو۔ میری آزمائش ہو جائے گی اور اس بہانے سے تم بھی حوصلہ سے یہ کام کرلو گی۔

میری بیوی نے میری تو یہ کہہ کر خلاصی کی کہ آپ تو بڑے ضدی ہو آپ کبھی کی بات نہیں سنتے اور یہ کہہ کر رونے لگی۔ پھر وہ اچھی

ہوتی گئی۔ شاید وجہ یہ تھی کہ اُس نے دال اور نمک کھانا چھوڑ دیا
تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خوراک تبدیل کر دی گئی تھی اور میں بھی
اُسے کوئی بد پرہیزی نہیں کرنے دیتا تھا یا اُس کے صحت یاب
ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مذکورہ بالا واقعہ دل خوش کن تھا۔ بہر
صورت وہ بہتر ہوتی گئی۔ خون آنا بالکل بند ہو گیا اور میں بھی
نیم حکیموں کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔"

بستی میں گاندھی جی لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم اور تربیت میں
مشغول رہتے تھے۔ کستوربا نے گاندھی جی کو اس معاملہ میں بہت کچھ
کہا سُنا مگر وہ نہ مانے۔ اُس میں وہ حق بجانب تھی۔ جب گاندھی نے سُنا
کہ آشرم کے رہنے والوں میں سے دو شخص بد فعلی کے مرتکب ہوئے
ہیں تو انہوں نے سات دن تک کچھ نہ کھایا اور ۴½ ماہ تک صرف
ایک وقت کھانا کھانے کا پرن کیا۔ جب معاملہ اور پیچیدہ ہو گیا تو
انہوں نے دو ہفتہ تک بھوک ہڑتال جاری رکھی۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ۱۹۱۰ئہ میں بستی میں گاندھی جی اور
اُن کے دوستوں نے ستیہ گرہی طیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ ریل کا اسٹیشن
بستی سے کوئی ایک میل کے فاصلہ پر تھا اور جوہانسبرگ وہاں سے
۲۱ میل کے فاصلہ پر تھا۔ کھیتوں کے لئے یا مکان بنانے کے لئے کوئی
ملازم نہ رکھے جاتے تھے۔ بستی والے سب کام خود کرتے تھے۔
یہاں تک کہ کھانا پکانے اور مہتر کا کام بھی خود کیا کرتے تھے۔

بستی میں بچوں کے لئے مدرسہ تھا اور بڑھئی کے کام کے لئے اور جوتے بنانے کے لئے کارخانے بھی تھے۔ کستوربا کو بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنا ہوتا تھا۔ گاندھی جی نے اپنے دوست رتن ٹاٹا کو جو خط ۱۹۱۲ء میں تحریر کیا اس میں جو لکھا وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"بستی کے سکول اور باورچی خانے میں کوئی تنخواہ دار ملازم نہیں رکھے جاتے تھے، میری بیوی اور سودہا کی بیوی اور دو تین سکول کے شاگرد کھانا پکاتے تھے اور ایک ہفتہ تک کام کرتے تھے اور دوسرے ہفتہ میں بدل دے جاتے تھے۔ تمباکو، شراب اور گوشت کی باورچی خانے میں آنے کی ممانعت تھی۔"

جب ستیہ گرہ جنوبی افریقہ میں جاری کیا گیا تو گاندھی جی عورتوں کو آشرم میں داخل نہ کرتے تھے، مگر کچھ عرصے بعد ان کو اجازت ہوگئی۔ کستوربا اور رام داس اور کچھ اور ستیہ گرہی گرفتار ہونے کے لئے طیار ہو گئے۔ گاندھی جی لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی سے اس بات کا ذکر نہ کیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ وہ میری کسی تجویز پر اعتراض نہ کرے گی۔ مگر اس کے ہاں کر دینے سے بھی اس کے دل کی حالت معلوم نہ ہو سکتی تھی، اور ایسے اہم معاملہ میں خاوند کو بیوی کو مجبور کرنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ آپ وہ جو جی چاہتا کرتی اور اگر وہ خود قدم نہ اٹھاتی تو ایسا نہ کرنے پر مجھے اس سے ناراض

ہونے کا بھی حق نہ تھا۔ میں نے دوسری عورتوں سے اس معاملہ کا ذکر کیا اور انہوں نے میری بات مان لی اور جیل جانے کے لئے طیار ہو گئیں۔ بلکہ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ جتنی دیر قید میں رہنا پڑا وہ رہیں گی۔ میری بیوی نے مجھے اُن عورتوں سے بات چیت کرتے ہوئے سن لیا اور کہنے لگی۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے مجھ سے ساری بات نہ کی۔ بھلا مجھ میں کونسی کمی ہے کہ میں جیل نہیں جا سکتی۔ میں بھی وہی راستہ اختیار کرنا چاہتی ہوں جو آپ دوسروں کو بتلا رہے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں تم کو کسی طرح کا دُکھ نہیں دینا چاہتا۔ مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ تم جیل جانا چاہتی ہو مگر لوگ ایسا نہ کہیں کہ تم نے یہ کام میرے کہنے سے کیا ایسے معاملے میں انسان کو اپنی ہمت اور دلیری سے کام لینا چاہیئے۔ اگر میں تم سے کہتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ تم میرے کہنے سے جیل میں گئی ہو۔ اور جب عدالت میں پیش ہوتی اور تم گھبرا جاتی یا جیل کی سختی تم سے برداشت نہ ہوتی تو میں کیا مُنہ دکھاتا۔ اُس حالت میں تم بے قصور ہوتی اور ساری برائی میرے ماتھے آتی۔ یہ وجہ تھی کہ میں نے صاف صاف تم سے نہ کہا۔

Satyagraha in South Africa, p. 425, 426,

C. F. Andrews.

کستور بانے کہاکہ اگر میں جیل جاتی اور پھر معافی مانگ کر وہاں سے رہائی پاتی تو آپ میرے ساتھ تعلقات توڑ دیتے۔ اگر آپ اور میرے لڑکے جیل کی سختیاں برداشت کر سکتے ہیں تو کیا میں نہیں کر سکتی؟

گاندھی جی نے تب کہاکہ اگر یہ ہی بات ہے تو تم بھی آؤ تمہیں میری شرائط تو معلوم ہی ہیں اور میرے مزاج سے بھی واقف ہو۔ اب بھی وقت ہے پھر سوچ بچار کر لو اور اگر خوب غور کرنے کے بعد بھی تم شامل نہ ہونا چاہو تو مت ہو۔ اس میں کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔

کستور بانے جواب میں کہاکہ اس میں سوچنے کی کونسی بات ہے میں بالکل تیار ہوں۔

چنانچہ کستوربا اور پندرہ اور بڑا انسوال کی حدود میں بغیر پرمٹ کے داخل ہونے کے جرم میں "تین ماہ سخت قید کی سزا پا گئے اور یہ حکم ۲۳ ستمبر ۱۹۱۳ء والے دن سنایا گیا۔

جج سرل جو عدالت عالیہ کے جج تھے انہوں نے ۱۴ مارچ ۱۹۱۳ء کے ایک فیصلہ میں ہندوستانی عورتوں کی بڑی بے حرمتی کی یعنی جنوبی افریقہ میں جو شادیاں عیسائی طریقے پر ہوئی تھیں اور رجسٹرار کے دفتر میں رجسٹر ہو چکی تھیں اُن کو تو جائز قرار دیا اور باقی سب شادیاں ناجائز قرار دی گئیں۔ یعنی ہندوؤں مسلمانوں اور

پارسیوں کی شادیاں یک قلم ناجائز اور بے قانونی قرار دے دی گئیں۔ اس فیصلہ کے برخلاف آواز اُٹھانے کی وجہ سے مذکورہ بالا سزا دی گئی۔

جس ہمت اور بہادری سے ہندوستانی عورتیں جیل میں گئیں وہ قابل تحسین ہے۔ سب کو مارٹزبرگ جیل میں قید کر دیا گیا۔ اور اُن کو تکلیفیں بیں دی گئیں۔ خوراک بڑی خراب تھی اور اُن کو کپڑے دھونے کا کام دیا گیا۔ جب قید سے باہر آئیں تو ایک عورت سوکھ کر پنجر ہوگئی تھی۔ ایک اور عورت کو بخار آنے لگا اور جیل سے باہر آنے کے چند روز بعد وہ مرگئی

کستوربا کو کئی دفعہ جیل جانا پڑا۔ اُس کی صحت بڑی خراب ہوگئی۔ انڈریوز صاحب ایک دفعہ جب وہ ناٹال جیل سے باہر آئی تو اُس سے ملے۔ وہ لکھتے ہیں۔

عورتیں جب جیل سے باہر آتی تھیں تو بہت سی کی صحت بالکل ہو جاتی تھی۔ قید کی زندگی بڑی ہی سخت ہوا کرتی تھی اور ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ گاندھی جی کی بیوی نے تو بہت تکلیف سہارا اور جب میں اُن سے پہلی دفعہ ملا مجھے یہ محسوس ہوا کہ اُن کی صحت اب اچھی نہ ہوگی۔ اُن کی حالت اس قدر خستہ تھی۔

C. F. Andrews.

کستوربا بھی پہلی دفعہ جیل سے باہر آئی تھی اور قید بھی ایک غیر ملک میں۔ البتہ انہوں نے اپنے وقت کو اچھی طرح نبھایا۔

گاندھی جی نے آٹھ سال اسی طرح گذارے اور ستیہ گرہ جاری رہا۔ کئی دفعہ جیل میں گئے اور ایک سچے وطن پرست کی طرح تکلیفیں جھیلتے رہے۔ اسی دوران میں آپ ایک دفعہ انگلستان بھی گئے اور وہاں حکومت انگلشیہ کے سامنے جنوبی افریقہ میں جو ہندوستانی آباد تھے ان کی حالت زار کہہ سنائی، گوکھلے صاحب اپنے ہندوستانی ہم وطنوں کی داستان سن کر اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ سالِ ۱۹۱۲ء میں وہ جنوبی افریقہ گئے۔ وہاں کی حکومت جب کوئی بس نہ چلتا تو کہتی اچھا اب ہم یہ کریں گے اور وہ کریں گے، اور جب موقعہ آتا تو اپنے وعدوں کو توڑ دیتی۔ گاندھی جی کے دل پر ان باتوں کا بڑا اثر ہوتا اور اُن کا نظریہ بدل جاتا۔ بہت لوگ اُن کے پیچھے لگ گئے اور وہ اُن کی رہنمائی کرنے لگے۔

سوامی جی بھوانی دیال کستوربا کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔

جب میں جنوبی افریقہ میں آج سے ۱۲ سال پہلے پہنچا تو میں کستوربا جی سے فینکس میں ملا۔ یہ مقام ڈربن کے مشہور شہر سے کوئی ۱۴ میل کے فاصلہ پر ناٹال کے شمالی ساحل پر واقعہ ہے۔ یہاں گاندھی جی کا آشرم ہے جہاں وہ رہتے تھے اس آشرم میں طریق زندگی بالکل سادہ اور باقاعدہ تھا۔ البتہ جب کوئی

قومی انقلاب ہوتا تو نقشہ بدل جاتا۔

بستی کے لوگ صبح چھاپے خانے میں کام کرتے۔ اخبار ہفتہ وار نکلتا تھا۔ اس میں جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی تکالیف اور مشکلات کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ بعد دوپہر بستی والے کھیتی باڑی کا کام کرتے اور سبزیاں اور پھلوں وغیرہ کی پیداوار میں مشغول رہتے تھے۔ شام کو اکٹھے ہوکر پرارتھنا کرتے تھے۔ رات بھر آرام کرتے اور دوسرے دن پھر کام میں لگ جاتے۔

اس مجمع کے رہنما وہی پتلے دُبلے گاندھی جی تھے۔ وہ سب سے زیادہ کام کرتے تھے اور سب سے زیادہ مضبوط بھی تھے۔ جہاں نوجوان کامیاب نہ ہوتے تھے وہاں انھیں طلب کیا جاتا تھا۔ بستی بھر کا بوجھ سر پر اٹھائے پھرتے تھے۔ آسٹریلیا کے بوری بنانے والے کپڑے کی قمیض اور ایک زیر جامہ پہنے رہتے اور بیرسٹری کی پوشاک ایک طرف رکھدی تھی تین ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی کو لات مار کر گاندھی جی ایک معمولی کسان کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

فینکس کا آشرم کیا تھا ایک تجربہ گاہ تھا۔ جہاں گاندھی جی اپنی زندگی کی ساتھن کستوربا سے مل کر سچائی کے متعلق تجربے کیا کرتے تھے۔ میں اس آشرم میں چند ماہ رہا۔ ۱۹۱۴ء میں میں بھی قید سے رہا ہوا تھا۔ میں انڈین اوپینین کا ایڈیٹر (ہندی حصہ)

"Indian Opinion."

رہ چکا تھا، یہ ہفتہ وار اخبار گاندھی جی نے ۱۹۰۳ء میں شروع کیا تھا
میں کستوربا سے اکثر ملتا رہتا تھا اور جتنا زیادہ اُن سے ملتا اُتنا
ہی اُن کو زیادہ پسند کرتا تھا۔ وہ اگرچہ پڑھی لکھی نہ تھیں،
اور اُن کی شادی کم سنی میں ہوئی تھی۔ پھر بھی تعلیمیافتہ سے
زیادہ سمجھ دار تھیں اور مدلل بات چیت کرتی تھیں اور جنوبی افریقہ میں
ہندوستانیوں کے حقوق کے لئے جد و جہد کرتی رہتی تھیں۔

جب میری بیوی قید سے چھوٹ کر آئی تو ڈربن میں بیمار ہوگئی
ڈاکٹر علاج سے قاصر تھے۔ گاندھی جی نے اُسے فینکس بلا بھیجا
اور سٹیشن پر ایک ہاتھ گاڑی لے کر گئے اور میری بیوی کو اُس
میں بٹھلا کر لے آئے۔ خود اکیلے گاڑی چلاتے تھے اور کسی دوسرے
شخص کو ہاتھ نہ لگانے دیتے تھے۔ آشرم سٹیشن سے آشرم
تک ۲½ میل کا فاصلہ تھا۔ کستوربا میری بیوی کی دیکھ بھال کرتی
رہی اور اس قدر حفاظت کی کہ اس کی جان بچ گئی خود کستوربا
ابھی قید سے رہا ہوئی تھی اور ان کی صحت بھی اچھی نہ تھی
مجھے ابھی تک وہ دردناک نظارہ یاد ہے، ایک ہفتہ تک میری
بیوی کو کیچڑ کا پلستر لگانے سے بڑا فائدہ ہوا۔ وہ چلنے لگ گئی
گاندھی جی اور سب کام بھی کرتے تھے اور ڈاکٹر بھی تھے
کستوربا آشرم میں ایک طرح کی نرس[1] ہی تھیں۔

---

[1] Nurse.

میں اِن دنوں کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ گاندھی جی اور کستوربا کی ہم نشینی نے میری زندگی کو بہت کچھ بدل دیا۔ میں دولت کمانے اور عیش کی زندگی بسر کرنے ناٹال گیا تھا مگر جب گاندھی جی اور ان کی بیوی سے فینکس میں ملاقات ہوئی تو میں نے اپنے ہم وطنوں کی خدمت کے لئے اپنی لیاقت کے مطابق اپنی زندگی وقف کر دی۔

(۶)

ہندوستان کی طرف واپسی

جب گاندھی جی نے سُنا کہ گوکھلے صاحب انگلستان میں بیمار پڑے ہیں تو آپ اُن کی تیمار داری کے لئے وہاں چل دیئے جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ ختم ہو چکا تھا۔ ۱۸ر جولائی ۱۹۱۴ء کو گاندھی جی بمعہ اپنے دوست کلن باتش اور ان کی بیوی بچوں کے ساتھ انگلستان کو روانہ ہو گئے اور ۶ر اگست کو لنڈن جا پہنچے۔ دو دن بیشتر جنگ عظیم شروع ہو گیا تھا۔ اُس وقت گوکھلے صاحب پیرس میں تھے اور راستہ بند ہو جانے کی وجہ سے لنڈن نہ آسکتے تھے۔

گاندھی جی انگلستان میں نکّمے نہ بیٹھے، ہزاروں انگریز لڑائی میں

حصّہ لینے کے لئے طیار ہو رہے تھے۔ گاندھی جی کا خیال تھا ایسے نازک وقت میں ہندوستانیوں کو انگریزوں کی مدد کرنی چاہئے لنڈن میں ہندوستانی رضا کاروں کا ایک دستہ بنایا جو ریڈ کراس کا کام کریں۔ خود بھی اس میں شامل ہو گئے اور اپنی بیوی کو بھی شامل کیا۔ بیوی ابھی بیماری سے اٹھی ہی تھی، اور خود گاندھی جی بھی ۱۴ دن کی بھوک ہڑتال سے فارغ ہوئے تھے۔ ریڈ کراس کے ساتھ کام کرنے سے پھیپھڑے میں پانی پڑ گیا۔ گوکھلے صاحب لندن پہنچے اور کچھ ہفتے وہاں ٹھہر کر جنوری ۱۹۱۵ء میں واپس ہندوستان آئے۔ گاندھی جی اور کستوربا بھی اُن کے پیچھے ہندوستان آئے۔

گوکھلے صاحب نے ہندوستان پہنچ کر گاندھی جی کا بڑے شوق و ذوق سے استقبال کیا، کیوں نہ ہوتا گاندھی جی اُن کے شاگرد تھے۔ باوجود صحت خراب ہونے کے گوکھلے صاحب پونہ سے بمبئی گئے گاندھی جی کا قیام کچھ دن بمبئی میں رہا اور چند استقبالیہ جلسے بھی ہوئے۔ بمبئی سے پونہ اور راج کوٹ ہوتے ہوئے گاندھی جی اور کستوربا شانتی نکیتن گئے اور وہاں سے کنبھ میلا دیکھنے ہردوار چلے گئے اور سوامی شردھانندجی کی دعوت قبول کرتے ہوئے گوروکل کانگڑی بھی دیکھا۔ ضمناً رشی کیش، لچھمن جھولا اور سورگ آشرم بھی ملاحظہ کیا۔ کستوربا اس سفر میں اِن کے ساتھ ہی تھیں۔

شروع ۱۹۱۵ء میں جب خطابات عطا ہوئے تو گاندھی جی کو جو خدمات انہوں نے انگلستان میں ریڈ کراس کے متعلق سر انجام دی تھیں کے عوضانہ میں قیصر ہند سنہری تمغہ عطا ہوا۔ چھ سال بعد جب گاندھی جی نے عدم تعاون کی تحریک شروع کی تو یہ تمغہ حکومت ہند کو واپس دے دیا گیا۔ جب گاندھی جی پونے میں گئے تو گوکھلے صاحب نے اُن سے سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کا ممبر بننے کے لئے کہا مگر گاندھی جی نہ مانے اگر وہ ممبر بن جاتے تو آج ہندوستان کی سیاسی زندگی کا نقشہ اور ہوتا۔

۲۵ مئی ۱۹۱۵ء کو گاندھی جی نے احمد آباد میں ستیہ گرہ آشرم کی بنیاد ڈالی اور کستوربا بھی آشرم میں داخل ہوئی۔ آشرم میں رہنے والوں کی زندگی عام گرہستیوں جیسی ہوا کرتی تھی مگر کھانا سب کو ایک جگہ کھانا ہوتا تھا۔ ایک قاعدہ جو سب کے لئے تھا وہ یہ تھا کہ سب کو غریب ہو کر رہنا پڑتا تھا اور یہ قسم لینی پڑتی تھی کہ ہم ایسی زندگی اختیار کرتے ہیں۔ اسی سال گاندھی جی انڈین نیشنل کانگرس کے سالانہ اجلاس میں شامل ہونے کے لئے بمبئی گئے۔ دوسرے سال اجلاس لکھنؤ میں ہوا اور وہاں گاندھی جی کی ملاقات ایک بہار کے کانگرسی سے ہوئی جنہوں نے ان کو چمپارن کے نیل کے کھیتوں میں رعایا

کی حالتِ زار دیکھنے کے لئے دعوت دی۔ ۱۹۱۷ء کے شروع میں جب گاندھی جی کلکتے گئے تو وہاں سے واپسی پر مظفرپور اور موتی ہری کے راستے آئے۔ حکام نے انھیں ان شہروں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ مگر گاندھی جی نے حکم نہ مانا۔ ایسا کرنے پر اُن پر مقدمہ چلایا گیا۔ ۱۸ اپریل والے دن جب عدالت میں پیش ہوئے تو گاندھی جی نے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے بیان دیا جس میں وہ وجوہات بھی بتلائیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ کچھ دنوں بعد پھر پیشی ہوئی اور لوگ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ حکومت نے مقدمہ واپس لے لیا اور گاندھی جی کو رہا کر دیا گیا۔ چنانچہ گاندھی جی حسب معمول رعیت کی حالت کی دیکھ بھال کرتے رہے۔

گاندھی جی نے رعایا کی حالت بہتر بنانے کا کام شروع کر دیا اور رضاکاروں کا دستہ طیار کیا جو لوگ اِس کام کے لئے راضی ہوئے۔ اس میں ایک کستوربا بھی تھی۔ مدرسے ابتدائی تعلیم کے لئے کھولے گئے اور دیہاتیوں کو صاف ستھرا رہنا سکھلایا گیا۔ ایک مدرسہ کستوربا کے سپرد کیا گیا۔ گاندھی جی کا ارادہ بہار میں مدت تک ٹھہرنے کا تھا اور جو کام انہوں نے شروع کیا تھا اُسے پورا کرنا تھا۔ مگر احمد آباد میں کارخانوں کے مزدوروں کی بُری حالت ہو گئی تھی۔ اور گاندھی جی کو جلدی وہاں جانا پڑا۔ چلنے سے پہلے انہوں نے بہار میں ایک تحقیقی کمیٹی مقرر کر دی جب کمیٹی نے رپورٹ شائع

کی تو آئین ساز کونسل میں ایک بل پاس ہوا جس سے چمپارن کے نیل سازوں کی حالت پہلے سے بہتر بن گئی۔

اُسی اثنا میں احمد آباد کے مزدوروں نے ہڑتال کردی ۲۱ دن تک کارخانے بند رہے۔ گاندھی جی ان کی رہنمائی کرتے رہے دو ہفتہ تک مزدور عدم تشدد پر قائم رہے بعد جب مزدوروں نے دوسرے مزدوروں پر جو ہڑتال نہ کرتے تھے تشدد کیا تو گاندھی جی نے بھوک ہڑتال شروع کردی اتنے میں سرمایہ داروں اور مزدوروں میں سمجھوتہ ہونے لگا اور تین بعد گاندھی جی نے بھوک ہڑتال بند کردی کارخانوں کے مالکوں نے مزدوروں کے مطالبات کو منظور کرلیا۔

اگرچہ گاندھی جی کی مصروفیت کی کوئی حد نہ تھی پھر بھی وہ ستیہ گرہ آشرم کو نہ بھولتے تھے۔ بہار بھی جاتے اور پھر احمد آباد واپس آجاتے۔ جن دنوں مزدوروں نے ہڑتال کر رکھی تھی، اُن ہی دنوں گاندھی جی سابرمتی جیل کے نزدیک زمین لے کر احمد آباد کے آشرم کی بنیاد ڈالی۔

۱۹۱۷ء میں جب انڈین نیشنل کانگرس کا اجلاس کلکتہ میں ہوا اور گاندھی جی وہاں سے احمد آباد آئے تو انہوں نے کھیڑا کے کسانوں کا معاملہ ہاتھ میں لے لیا۔ یہ لوگ فصل نہ ہونے کی وجہ سے بھوکے مر رہے تھے۔ حکومت نے معاملہ معاف نہ

کیا اور بچاروں کی حالت بڑی خراب ہوگئی۔ گاندھی جی نے ہرچند کوشش کی کی اور جب اُن کو ناکامیابی ہوئی تو ستیہ گرہ شروع کردیا۔ کسانوں نے بھی باوجود تکالیف سہارنے کے بڑی ہمت کی۔ برابر ڈٹے رہے اور آخر کسانوں کے مطالبات حکومت کو منظور کرنے پڑے۔

۲۶ راپریل ۱۹۱۸ء کو جو جنگ عظیم کا آخری سال تھا وائسرائے ہند نے ایک کانفرنس اس مطلب سے بلائی کہ جنگ میں لوگ مدد کریں۔ گاندھی بھی اس کانفرنس میں موجود تھے اور لوگ حیران ہوئے جب وہ بھی اس تجویز کے حق میں بولے۔ اور بھرتی کرنے میں انہوں نے ایسی سرگرمی دکھلائی کہ آخر پیچش کے عارضہ سے بیمار ہوگئے۔ بیمار بھی ایسے سخت ہوئے کہ مرتے مرتے بچے۔ گاندھی جی اس کے متعلق خود لکھتے ہیں۔

"اس دن کوئی تقریب تھی۔ اور اگرچہ میں نے کستوربا سے کہہ دیا تھا کہ میں دوپہر کا کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مگر پھر بھی اس نے کھلا ہی دیا۔ میں دودھ اور دودھ کی بنی ہوئی چیزیں نہیں کھاتا تھا، اس دن گھی کی بجائے تیل میں مٹھائی بنا کر مجھے کھلائی۔ ساتھ ایک پیالہ بھر کے مونگ بھی دے دیئے مجھے یہ چیزیں بہت اچھی لگتی تھیں اور میں نے کستوربا کو خوش کرنے کے لئے اور مزے کے لئے معمول سے زیادہ

کھالیں۔ شیطان تاک میں لگ رہا تھا۔ اندازے سے زیادہ کھا تو گیا ہی تھا۔ موت کا فرشتہ بھی آن پہنچا۔ ایک گھنٹے کے اندر پیچش شروع ہو گئی۔

ابھی اس بری بیماری سے خلاصی نہ پائی تھی کہ گاندھی جی نے ہندوستان کی ابتر حالت کو دیکھا۔ اخباروں میں رولٹ کمیٹی کی رپورٹ شائع ہوئی۔ حکومت ہند نے سب کے مشورہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔ خیرخواہوں کی بات نہ سُنی۔ تھوڑی بہت آزادی بھی نہ رہنے دی اور کمیٹی کی سفارشات کے مطابق ایک قانون رولٹ ایکٹ کے نام سے پاس کر دیا۔ گاندھی جی نے بڑی سرعت سے سارے ہندوستان کا دورہ کیا اور لوگوں کی مخالفت کا جائزہ لیا۔ حکومت سے انصاف چاہا اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ ایسے قانون سے خطرناک حالات پیدا ہو جانے کا ڈر ہے۔ حکومت نے کچھ پرواہ نہ کی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ کوئی سنتا ہی نہیں تو گاندھی جی نے ستیہ گرہ کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کیا۔ یہ ہتھیار چند مرتبہ پہلے بھی استعمال ہو چکا تھا اور کامیاب ثابت ہوا تھا۔ البتہ پوری کامیابی نہ ہوئی تھی۔

گاندھی جی نے حکومت کو پہلے سے آگاہ کر دیا اور سارے ہندوستان میں اس بات کا اعلان کیا کہ ستیہ گرہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء سے باقاعدہ شروع کیا جائے گا۔ اور سارے ملک میں ہڑتال

کر دی جائے گی۔ مگر حالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ ہڑتال ۱۶ اپریل کو ملتوی کرنی پڑی۔ حکومت نے فوراً پیش بندی کی اور گاندھی جی کو پلول کے قریب ۸ اپریل والے دن گرفتار کر لیا۔ انھیں پنجاب میں داخل ہونے کی ممانعت تھی۔ اور وہ وہاں جارہے تھے۔ بہت سے اور سیاسی لیڈر بھی گرفتار کر لئے گئے۔ لوگ گھبرا گئے اُن کی کوئی روک تھام کرنیوالا باقی نہ رہا۔ گاندھی جی بھی نہ تھے۔ لوگوں نے عدم تشدد چھوڑ کر تشدد کا راستہ اختیار کیا۔ ستیہ گرہ جاتا رہا۔ حکومت کی کوئی پرواہ نہ کرتا تھا، اور کئی شہروں میں بلوے شروع ہو گئے۔ گاندھی جی قید میں تھے۔ ستیہ گرہ معطل کر دیا گیا، جلیانوالہ باغ امرتسر کا حادثہ اور دہلی میں اور دیگر مقامات میں گولی چلنا وغیرہ ابھی لوگوں کو بھولا نہ تھا۔ ایسے واقعات کا دہرانا بے فائدہ ہے، مارشل لا[1] یعنی فوجی قانون کا اجراء جو پنجاب میں ہوا تھا وہ بھی لوگوں سے چھپا نہ تھا۔ حکومت ہند نے خوفزدہ ہو کر ہنٹر کمیٹی[2] مقرر کر دی اور اسی سال اکتوبر میں گاندھی جی کو پنجاب میں داخل ہونے کی اجازت بھی مل گئی۔ لوگ بڑے آزردہ تھے اور انہوں نے ہنٹر کمیٹی کا بائیکاٹ کیا۔ پنڈت مدن موہن مالوی جی نے ایک اور کمیٹی پنجاب کے پر درد واقعات

Martial Law. Hunter Committee.

کی تحقیقات کرنے کے لئے بنا دی۔ اس کمیٹی نے خوب چھان بین کی اور جلیانوالہ باغ میں گولی چلنے سے جن لوگوں کی جانیں تلف ہوئی تھیں ان کے پس ماندگان کی امداد کا انتظام بھی کیا۔ اس سال انڈین نیشنل کانگرس کا سالانہ اجلاس امرتسر ہی ہوا اور پنڈت موتی لعل نہرو جی صدر تھے۔ کستوربا بھی گاندھی جی کے ساتھ امرتسر آئی۔

جو واقعات پنجاب میں ہوئے ان کی تلافی کا حکومت نے کچھ بندوبست نہ کیا۔ اسی زمانہ میں مسلمان بھی خلافت کے سوال پر گڑبڑا گئے تھے۔ گاندھی جی نے سارے ملک کا دورہ کیا اور عوام کو عدم تعاون اور عدم تشدد کرنے کے لئے کہا۔ اس طرح سے جب لوگ آمادہ تھے تو ستمبر ۱۹۲۰ء میں کانگرس کا ایک خصوصی اجلاس کلکتہ میں ہوا اور لالہ لاجپت رائے نے صدارت کی۔ وہ ابھی امریکہ سے ہندوستان واپس ہی آئے تھے۔ کثرت رائے سے اس اجلاس میں عدم تشدد اور عدم تعاون کا رزولیوشن پاس ہوا۔ اور گاندھی جی نے خود اُسے پیش کیا۔ جب کانگرس کا اجلاس ناگپور میں ہوا تو اس رزولیوشن کو پختہ طور پر پاس کیا گیا۔
۱۹۲۱ء کے آغاز میں دوسرا وائسرائے آ گیا لارڈ چیمس فورڈ صاحب چلے گئے اور لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہو کر آئے۔ وہ پہلے سے ہی بڑے ہر دل عزیز تھے۔ انگلستان میں چیف جسٹس رہ

چکے تھے اور وہ بھی جنگ عظیم کے زمانہ میں (سنہ ۱۹۱۴ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک) امریکہ میں بھی سفیر خارجہ کے عہدے پر ممتاز تھے۔ (مئی سنہ ۱۹۲۱ء میں مدن موہن مالوی جی کے توسط سے گاندھی جی وائسرائے سے ملے اسی سال شہزادہ ویلز بھی ہندوستان آئے۔ کانگریس زوروں پر تھی اور ان کا خیر مقدم ہڑتالوں سے ہوا۔ حکومت نے کانگریس کے کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔ احمد آباد میں کانگریس کا اجلاس ہونا تھا اور سی آر داس صاحب نے صدارت کرنی تھی۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا اور حکیم اجمل خاں صاحب ان کی جگہ صدر مقرر ہوئے احمد آباد میں گاندھی جی کا آشرم تھا۔ کانگریس بڑی کامیاب رہی کستوربا نے بہت کام کیا اور استقبالیہ کمیٹی کی بڑی مدد کی، اور ڈیلیگیٹوں[1] کی خاطر تواضع میں بڑا حصہ لیا۔ ہندوستان کے ہر شہر سے نمائندے اس کانگریس میں شامل تھے۔

---

[1] Delegates.

(۷)

واقعات سے پُر دس سال

انڈین نیشنل کانگرس کے احمد آباد کے کامیاب اجلاس کے بعد گاندھی جی کچھ دنوں تک سابرمتی آشرم میں ہی رہے اور ۱۳ جنوری ۱۹۲۲ء والے دن بمبئی پہنچے۔ وہاں بڑے بڑے سیاست دانوں کی ایک کانفرنس ہو رہی تھی۔ گاندھی جی نے بھی اس میں شرکت کی، مگر کانگرس کی طرف سے کچھ نہ کہا ادھر حکومت نے کانفرنس کے مطالبات سے بے اعتنائی کی۔ کارکنوں اور دیگر سیاست دانوں کی گرفتاریاں، زباں بندیاں اور جلسوں وغیرہ کی ممانعت نے گاندھی جی کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ستیہ گرہ کی تحریک کو عوام کے لئے جاری کریں۔ چنانچہ

بردولی میں سب تیاری ہو گئی۔

دیکھ بھال کے لئے گاندھی جی ۲۷ جنوری کو احمد آباد سے روانہ ہو گئے۔ اور آشرم کی عورتیں کستوربا کی زیر ادارت گاندھی جی کے پاس آئیں اور اُن کی غیر حاضری میں جو کچھ کرنا تھا اس کے متعلق ہدایات موصول کیں۔ کانگریس کی کارکن کمیٹی نے جو ۳۱ جنوری والے دن سورت میں ہوئی یہ فیصلہ کیا کہ تحریک بردولی سے شروع کی جائے۔ چنانچہ یکم فروری کو وائسرائے کو بھی مطلع کر دیا گیا اور حکومت ہند کی طرف سے ۶ فروری کو جواب آیا کہ تمہارے سب مطالبات رد کئے جاتے ہیں۔ اسی اثنا میں مسٹر جناح اور ان کے ساتھی بمبئی میں ایک اور کانفرنس کر رہے تھے اور ۱۶ جنوری سے اپنے مطالبات کے متعلق تار پر تار دے رہے تھے مگر وائسرائے صاحب چپ تھے۔ آخر ۳۰ جنوری کو جواب آیا کہ گول میز کانفرنس نہیں ہو سکتی۔ ۷ فروری کو گاندھی جی نے وائسرائے کو آخری فیصلے سے مطلع کر دیا اور کہا ۱۲ تاریخ سے ستیہ گرہ شروع کیا جائے گا مگر معاملہ بگڑ گیا۔ ۸ فروری والے دن جو اخبار شائع ہوئے ان میں چوری چوڑا والا دردناک واقعہ بیان کیا گیا۔ گاندھی جی نے تحریک معطل کر دی اور پانچ دن تک بھوک ہڑتال کی۔ ۱۷ فروری شام کو کچھ کھایا۔ جب کستوربا نے یہ خبر سنی تو فوراً

ہردولی پہنچی۔ اس کے ساتھ انسویا بن اور سنتانم صاحب کی بیوی بھی تھی یہ ۱۵ فروری کا واقعہ ہے۔ باقی عرصہ کستوربا گاندھی جی کے پاس ہردولی میں رہی اور اُن کی خدمت گذاری میں مشغول رہی۔ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس کے لئے گاندھی جی دہلی گئے۔ اس کمیٹی میں ستیہ گرہ چھوڑ دینے کی تجویز پاس ہو گئی۔ گاندھی جی کی بڑی مخالفت ہوئی مگر وہ آڑے رہے اور "ینگ انڈیا" اور "نوجیون" میں اس کے متعلق مدلل مضامین لکھتے رہے۔

کچھ ہفتوں سے گاندھی جی کی گرفتاری کی افواہیں اُڑ رہی تھیں مگر ۱۰ مارچ بروز جمعہ انھیں $10\frac{1}{2}$ بجے گرفتار کیا گیا وہ سابرمتی آشرم میں ہی تھے۔ حسب معمول جیل جانے سے پہلے سب سے ملاقات کی کستوربا اور آشرم میں رہنے والے لوگ اُن کے ساتھ جیل کے دروازے تک گئے۔

گاندھی جی اور ان کے ساتھی شنکر لعل بنکر پر مقدمہ چلایا گیا گاندھی جی نے تین مضمون "ینگ انڈیا" میں شائع کئے تھے ۱۸ مارچ کو انھیں چھ سال کی قید کا حکم دیا گیا۔ ۱۰ مارچ سے ۲۰ مارچ تک وہ سابرمتی جیل میں رہے۔ رات کو انھیں وہاں سے کسی نامعلوم مقام پر لے گئے۔ آشرم میں دو دن تک اُن کے متعلق کوئی خبر نہ تھی۔ شری کرشن داس جی اپنی کتاب[1] میں لکھتے ہیں کہ "اُن دنوں کستوربا

[1] Seven Months with Mahatma Gandhi, p. 405.

نہ زندوں میں تھی نہ مردوں میں"۔

بعد میں غیر سرکاری طور پر پتہ چلا کہ گاندھی جی اور شنکر لعل جی پونہ کے نزدیک یروادہ جیل میں لے جائے گئے۔ اِس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئیے کہ گاندھی جی کے گرفتار اور قید ہو جانے سے کستوربا پر یاس چھا گئی تھی۔ بالکل نہیں۔ اُس نے ایک بہادر عورت کی طرح یہ سب کچھ بڑی ہمّت سے برداشت کیا۔ اپنے ملک کے مردوں اور عورتوں کے نام جو اپیل شائع کی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بڑی استقلال والی عورت تھی۔ اُس نے اُن سے کہا کہ ہمت مت ہارو اور ایک تعمیری پروگرام اُن کے سامنے رکھا اور کہنے لگی کہ آزادی کے علم بردار (گاندھی جی) کی غیر حاضری میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اس کا کہنا یہ تھا۔

میرے پیارے ہم وطنو

"آج میرے خاوند کو چھ سال کے لئے قید کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ ایسی سخت سزا کا میرے دل پر بڑا اثر ہوا ہے۔ مگر مجھے یہ خیال تسکین دیتا ہے کہ اگر ہم سب مل کر کوشش کریں تو گاندھی جی کی قید کم ہو سکتی ہے، بلکہ وہ پیش از وقت رہائی پا سکتے ہیں۔ اس میں بالکل کوئی شک نہیں کہ اگر ہم جاگیں اور تعمیری پروگرام جو کانگرس نے دے رکھا ہے اس کو چلاویں تو نہ ہی ہم گاندھی جی کو رہا کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے

بلکہ ہماری تین باتوں کا جن کے لئے ہم ۱½ سال سے کوشاں ہیں حل بھی تسلی بخش طریقے سے ہو جائے گا۔ علاج تو ہمارے ہاتھ میں ہی ہے۔ اور اگر ہمیں ناکامی ہوتی ہے تو بھی ہمارا ہی قصور ہے۔ اِس لئے جو مرد اور عورتیں مجھ سے پیار کرتی ہیں اور میرے خاوند کی عزت کرتی ہیں۔ انھیں چاہیئے کہ تعمیری پروگرام پر پوری تن دہی سے عمل پیرا ہوں اور اُسے کامیاب کرکے دکھلائیں۔

اس پروگرام میں گاندھی جی نے چرخے اور کھدر پر بڑا زور دیا ہے۔ عوام کے لئے ان دونوں کے ذریعے ہی اقتصادی مسائل کا حل ہوگا۔ اور ہمارے ملک کو سیاسی آزادی حاصل ہوگی۔ گاندھی جی کے قید ہونے کا ہندوستان کی طرف سے جواب یہ ہونا چاہیئے :-

(۱) ہم ہندوستانی (مرد اور عورتیں) غیرملکی کپڑا بالکل نہ پہنیں گے اور کھدر استعمال کریں گے، اور دوسروں کو بھی اُسی کو استعمال کرنے کی ترغیب دیں گے۔

(ب) ہم سب عورتیں چرخہ کاتیں گی اور سوت تیار کریں گی اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں گی۔

(ج) ہم سب بیوپاری غیر ملکی کپڑے کی خرید و فروخت بند کردیں گے۔

۱۲ر جنوری ۱۹۲۴ء والے دن گاندھی جی کو یروادا جیل سے پونا

کے ساسون ہسپتال میں لایا گیا اور ۱۰ بجے رات کو اپنڈی سائٹس[1] کی بیماری کے لئے چیرا دیا گیا۔ گاندھی جی بائیس ماہ جیل میں رہ چکے تھے اور آشرم کا سب انتظام کستوربا کرتی تھی۔ جب اُسے گاندھی جی کی بیماری کی خبر ملی تو وہ بڑی دلگیر ہو گئی۔ ۱۴ار جنوری بروز دوشنبہ کستوربا اور انسویا بن پونا کے ہسپتال میں پہنچیں اور گاندھی جی سے ملیں۔ جیل اور ہسپتال کے حکام کی طرف سے ان دونوں کو گاندھی جی کے پاس رہنے کی اجازت تھی تاکہ ان کی تیمار داری کر سکیں اور سب طرح کی سہولتیں بھی مہیا کی گئیں۔ ایک دن بعد جب گاندھی جی کے لڑکے رام داس اور دیو داس بھی ہسپتال پہنچ گئے۔ گاندھی جی کی رہائی کے لئے حکومت کو کہا گیا۔ مگر حسب معمول دیر سے فیصلہ ہوا۔ چنانچہ ۵ر فروری کی صبح قریب ۹ر بجے جب گاندھی جی بیماری سے اُٹھے ہی تھے کہ ان کو رہا کر دیا گیا۔ بمبئی کی حکومت نے ایک اعلان شائع کیا جس میں لکھا تھا کہ گاندھی جی کو باقی قید معاف کر دی گئی ہے۔ دو دن بعد گاندھی جی نے مرحوم مولانا محمد علی کو جو اس وقت کانگرس کے صدر تھے ایک خط لکھا جس میں اپنی رہائی پر افسوس کا اظہار کیا کہ بوجہ سخت علالت کے حکومت نے ان کو رہا کر دیا ہے۔ گاندھی جی کچھ دن اور ہسپتال میں ہی رہے۔ قید سے رہائی پانے کے بعد وہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ مختلف شہروں میں

[1] Appendicitus.

جو فسادات ہوئے اور کئی جانوں کا نقصان ہوا اور مال بھی تباہ ہوا خاص کر کے سہارنپور اور کوہاٹ تو ان باتوں کا گاندھی جی کے دل پر بڑا اثر ہوا اور جب وہ دہلی میں تھے تو انہوں نے ۲۱ دن کے لئے بھوک ہڑتال (یعنی ۱۷ستمبر سے ۸ اکتوبر تک) کرنے کا فیصلہ کیا۔ کستوربا اور شنکر لعل بنکر انسویابن اور رام داس گاندھی سب کے سب ۱۲ ستمبر کو دہلی پہنچے اور بھوک ہڑتال کے دنوں میں ہر طرح سے ان کی خدمت کرتے رہے۔

بھوک ہڑتال کرنے سے سب ملک کے سیاستدانوں کی توجہ ہندو مسلم اتحاد کے سوال کی طرف پھر گئی۔ چنانچہ ۲۶ ستمبر کو ایک اتحادی کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی جس کے صدر مرحوم پنڈت موتی لعل نہرو تھے اور جس کی استقبالیہ کمیٹی کے صدر مولانا محمد علی صاحب تھے۔ اس کانفرنس کی تجویزیں بڑی اہم اور ضروری تھیں اور ملک کے بہی خواہوں نے ان کو پسند کیا۔ اس سال انڈین نیشنل کانگرس کا سالانہ اجلاس بلگام میں ہوا، اور گاندھی جی صدر تھے احمد آباد کا ستیہ گرہ آشرم ایک طرح قومیت کا مرکز بن گیا اور اس وجہ سے سارے ہندوستان بلکہ ساری دنیا کی توجہ اُس پر مرکوز ہو گئی

آشرم میں گاندھی جی سے دوسرے درجہ پر کستوربا تھی جسے لوگ باجی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ جس کے معنی ماں کے ہیں

یہ عورت کوتاہ قد اور چمکتی ہوئی آنکھوں والی اور تیز آواز والی تھی اور ہونٹوں سے ارادہ کی پختگی ٹپکتی تھی، اور وہ آشرم پر حکومت کرتی تھی۔ کسی کو حکم عدولی کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ باورچی خانہ میں اُسے بہت کام کرنا پڑتا تھا۔ نہ صرف گاندھی جی اور ز یوتوں کے لئے کھانا بنانا ہوتا تھا بلکہ آشرم کے سب رہنے والے تقریباً بیس آدمی وہاں ہی کھانا کھاتے تھے۔ باورچی خانے کو صرف دیکھنا ہی نہیں ہوتا تھا بلکہ کھانا بھی بنانا ہوتا تھا۔ اور چونکہ خود باقاعدہ کام کرتی تھی۔ اس لئے سب کام کرنے والوں کو ہوشیار رہنا پڑتا تھا۔

چونکہ باورچی خانہ کا سب انتظام کستوربا کے ذمہ تھا مہمانوں کی خوراک کا بندوبست بھی کرنا ہوتا تھا۔ وہ بے وقت بھی آجایا کرتے تھے۔ اگر کبھی ایسا موقعہ ہوتا تو کستوربا غضبناک ہوجایا کرتی اور گاندھی جی یہ کہہ کر اُسے ٹھنڈا کرتے کہ ہم تمہارے غصے سے بہت ڈرتے ہیں۔ ایک دن کچھ مہمان آئے اور اُن میں پنڈت موتی لعل نہرو بھی تھے۔ اور وہ آئے بھی جب باورچی خانہ بند ہوچکا تھا اور کستوربا اور اُن کے ساتھی ایک کمرے میں آرام کر رہے تھے، مہمانوں کا استقبال کرکے گاندھی جی نے انھیں کھانے کے لئے کہا۔ اور خود باورچی خانے میں چلے گئے اور کسی سے کہا کہ تم کھانا تیار کرو۔ مگر کستوربا کو آرام کرنے دو۔

اگر مدد کی ضرورت ہوگی تو بُلا بھیجنا۔ دراصل گاندھی اُسے تکلیف نہ دینا چاہتے تھے کیونکہ اس کی طبیعت اچھی نہ تھی۔ یہ کہہ کر گاندھی جی تو چل دیئے۔ جب لوگ باگ باورچی خانے میں کام کر رہے تھے جس طرح گاندھی جی ان کو ہدایت کر گئے تھے تو اتنے میں ایک تھالی فرش پر گری اور بڑی آواز ہوئی۔ کستوربا اُٹھی اور یہ سمجھ کر کہ شاید بلی ہے جلدی سے باورچی خانہ کی طرف گئی۔ دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور کھانا بنانے کی تیاری ہو رہی ہے۔ پتہ لگا کہ گاندھی جی نے کھانا تیار کرنے کو کہا ہے۔ تب مسکرا کر کہنے لگی۔ میں کوئی تھکی ہوئی تو نہیں تھی مجھے بُلا لیا ہوتا۔

جب سب مہمان چلے گئے اور گاندھی جی اکیلے رہ گئے۔ کستوربا ان کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ آپ نے مجھے مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنے کو کیوں نہ کہا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں اس قدر سُست الوجود ہوں کہ کام نہ کروں گی۔ گاندھی نے جواب میں کہا کہ کستوربا مجھے تم سے ایسے موقعوں پر بڑا ڈر لگتا ہے۔ کستوربا نے مسکرا کر کہا کہ آپ اور مجھ سے ڈر!

مگر گاندھی جی سچ کہہ رہے تھے کیونکہ اس دُنیا میں اگر گاندھی جی کسی نزدیکی رشتہ دار سے ڈرتے تھے تو اپنی بیوی سے۔

۲۷ر جنوری ۱۹۲۸ء گاندھی جی کے لڑکے رام داس کی شادی کی رسم بڑی سنجیدگی سے آشرم میں ادا کی گئی۔ منگنی دو

سال پہلے ہو چکی تھی۔ برات اور باجہ وغیرہ کچھ نہ تھا، نہ ہی کھانا وغیرہ، احمد آباد سے گاندھی جی کے دوست دلھا اور دُلہن کو آشیرباد دینے کے لئے آئے۔ جہیز وغیرہ کچھ نہ تھا۔ اپنے ہاتھ کے کاتے ہوئے سوت کی منگلا مالا۔ ایک بھگوت گیتا۔ ایک جوڑی تکلیوں کی اور آشرم بھجناولی گاندھی جی کی طرف سے دی گئی۔ مہادیو ڈیسائی نے شادی کے متعلق "ینگ انڈیا" میں ایسا ہی لکھا ہے۔ دلہن کی ماں کی طرف سے ایک چرخہ دیا گیا۔ دولھا اور دلہن دونوں نے بالکل سفید کھدر پہن رکھا تھا۔ اور کوئی کسی قسم کا زیورات کے بدن پر نہ تھا۔ گاندھی جی کی زندگی میں یہ ایک عجیب واقعہ تھا۔ آشیرباد دیتے ہوئے انہوں نے ایک قابل یادتقریر کی کستوربا کو ایسی اچھی بہو ملنے پر بڑی خوشی ہوئی اور جنوبی افریقہ والا زیوروں کا معاملہ بالکل یاد نہ رہا۔

۱۹۲۸ء میں کانگرس کا اجلاس کلکتہ میں ہوا۔ پنڈت موتی لعل نہرو جی صدر تھے۔ اور گاندھی جی اور ایک ان کے ساتھی بھی موجود تھے۔ ۱۹۲۹ء میں کانگرس لاہور میں ہوئی اور پنڈت جواہر لعل نہرو جی صدر تھے۔ اسی سال ۲۳ دسمبر والے دن گاندھی جی اور پنڈت موتی لعل نہرو جی وائسرائے سے ملے۔ اور اُن سے ہندوستان کے آزاد ہونے کے متعلق دریافت کیا۔ چونکہ کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ کانگرس

نے مکمل آزادی کا اعلان کر دیا۔ اُس سال کستوربا گاندھی جی کے ساتھ لاہور آئی۔ اور ایک ہفتہ تک قیام کیا۔ جنوری کے پہلے ہفتہ میں سب احمد آباد واپس چلے گئے۔

نمک کے متعلق ستیہ گرہ

۱۵ر فروری ۱۹۳۰ء والے دن سابرمتی آشرم میں کانگریس کی کارکن کمیٹی کا اجلاس ہوا اور گاندھی جی کو کمیٹی نے نمک کے متعلق ستیہ گرہ شروع کرنے کی اجازت دے دی. یکم مارچ کو دوبارہ وائسرائے کو اس امر کے متعلق مطلع کیا گیا اور رگینا لڈ[1] رینلڈ کے (جو ایک انگریز تھے) کے توسط سے اطلاع دی گئی۔ یہ اطلاع پنڈت موتی لعل نہرو اور جواہر لعل نہرو اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کی مرضی سے دی گئی. سنٹرل[2] اسمبلی میں

---

[1] Reginald Raynold.

[2] Central Assembly.

اس وقت بجٹ پیش ہو رہی تھی۔ گاندھی جی ۱۲ مارچ کو چند چیدہ رضا کاروں کو ساتھ لے کر ڈنڈی جانے کو تیار ہو گئے وہ نمک کا قانون توڑنا چاہتے تھے۔ صوبوں کی کانگرس کمیٹیاں بھی ۲۱ مارچ سے نمک کا قانون توڑنے کے لئے آمادہ ہو گئیں۔ چنانچہ گاندھی جی ۶ اپریل صبح ½ ۸ بجے ڈنڈی پہنچ گئے اور اپنا کام شروع کر دیا۔ سروجنی نیڈو صاحبہ نے فرمایا۔ شاباش قانون توڑنے والے!

دوسرے دن ہی پولیس نے گاندھی جی کو گرفتار کر لیا۔ مگر کام تو شروع ہو ہی چکا تھا اور سارے ہندوستان میں دھوم مچ گئی تھی۔ حکومت نے بھی دبانا شروع کر دیا اور خاص حکم جاری کر دیئے بعض مقامات پر پولیس نے لاٹھی چلائی بلکہ گولی بھی چلی! اور شولاپور میں مارشل لا (فوجی قانون) لگ گیا۔ حکومت نے تھوڑے ہی عرصہ بعد اس بات کا احساس کیا کہ سختی کرنا بے سود تھا اور نرمی سے کام لینا چاہیئے تھا۔ چنانچہ حکومت نے ان لوگوں کو جو کانگرس کے برخلاف تھے اپنے ساتھ لے لیا اور وائسرائے صاحب نے اعلان کیا کہ گول میز کانفرنس لنڈن میں منعقد ہو گی اور سب سیاسی حلقوں سے شمولیت کی درخواست کی گئی کانگرس کے کارکن جو ابھی قید نہ تھے انہوں نے شامل ہونا مناسب خیال نہ کیا۔ سپرو اور جیکار حکومت اور کانگرس میں

سمجھوتا کرانا چاہتے تھے اور وہ اُس غرض سے ۱۲ر جولائی کو پہلے گاندھی جی سے یرودہ جیل میں ملے اور بعد موتی لعل نہرو جی اور جواہر لعل نہرو جی سے نینی جیل میں ملے۔ جیکار جی تو گاندھی جی سے ۱۳ر جولائی اور یکم اگست والے دن دوبارہ ملے۔ غرض نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ اور ۱۴ر اگست کو یرودہ جیل میں ایک مجلس ہوئی جس میں گاندھی جی، موتی لعل نہرو جی۔ سید محمود۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل اور مسز سروجنی نیڈو کے علاوہ سپرو اور جیکار صاحب بھی موجود تھے۔ فیصلہ کچھ نہ ہوا۔ کیونکہ حکومت کانگرس کے مطالبات منظور کرنے کے لئے بالکل طیار نہ تھی۔ بلکہ حکومت نے سختی کی اور کانگرس کی کارکن کمیٹی کو ایک غیر قانونی ادارہ قرار دے دیا۔ دو دِن بعد ہی پنڈت مدن موہن مالوی۔ ڈاکٹر انصاری اور وٹھل بھائی پٹیل (جو سنٹرل اسمبلی کے سپیکر تھے اور مستعفی ہو گئے تھے) اور کئی اور کمیٹی کے ممبر دہلی کے ایک مجسٹریٹ کے حکم سے قید کر لئے گئے۔

غرض حکومت اور کانگرس میں چھ ماہ تک لڑائی جاری رہی اسی اثنا میں لنڈن میں گول میز کانفرنس بھی ہوتی رہی مگر چونکہ کانگرس کے سرکردہ اشخاص قید میں تھے کچھ نتیجہ حاصل نہ ہوا۔

۲۵ر جنوری سنہ ۱۹۳۱ء لارڈ اروِن نے گاندھی جی اور کانگرس کی کارکن کمیٹی کے ممبروں کو رہا کر دیا گیا۔ ۲۶ر جنوری کو گاندھی جی قید خانے کی کوٹھڑی سے ۱۱ بجے صبح نکلے اور ۲۸ر تاریخ کو الہ آباد

پہنچے ۔ وہاں پہنچتے ہی سُنا کہ پنڈت موتی لعل نہرو جی بڑے بیمار ہیں ۔ کانگرس کی کارکن کمیٹی کے اور ممبر بھی آن پہنچے تھے ۔ موتی لعل نہرو جی ۶ ر فروری والے دن فوت ہوگئے اور گاندھی جی اور دیگر ممبران الہ آباد سے روانہ ہوگئے ۔ ۱۷ ر فروری کو گاندھی جی وائسرائے سے ملے ۔ دیر تک بات چیت ہوتی رہی ۔ آخر سمجھوتا ہوگیا اور حکومت نے سب ستیہ گرہی قیدیوں کو رہا کردیا ۔

ان بارہ مہینوں کی جدوجہد میں کستوربا بے کار نہ بیٹھی رہی ۔ بردولی کے ضلع کا دورہ کرتی رہی اور لوگوں کو گاندھی جی کا پیغام یاد دلاتی رہی ۔ وہ قید سے بالکل نہ ڈرتی تھی اور مختلف مقامات پر ستیہ گرہ کے کیمپ قائم کرتی رہی ۔

۲۸ ر اپریل ۱۹۳۰ء کو کستوربا مس پیٹٹ اور دیگر زنانہ رضاکاروں کو ساتھ لے کر جلال پور سے اوبجر گئی ۔ سب بس میں سوار تھیں اور راستے میں قومی گیت گاتی جاتی تھیں ۔ گیت کا خلاصہ یہ تھا ۔

"ہم سچائی اور امن کی لڑائی اپنے مُلک کی خاطر لڑ رہے ہیں
بہادر لوگ خوشی اور جوش سے میدان جنگ میں جایا کرتے
ہیں اور نڈر ہوکر اپنی جانیں قربان کرتے ہیں"

مقام اوبجر پہنچ کر کستوربا نے گاؤں والوں کو دور اور

Miss Petit.

نزدیک سے جمع کیا اور وہ اماوس کا دن تھا جسے لوگ تبرک خیال کرتے ہیں۔ تقریر کرتے ہوئے کستوربا نے کہا کہ ایسے مبارک دن پر اُن کو شراب نہ پینے کی قسم کھانی چاہیئے اور چرخہ کاتنے کا پرن لینا چاہیئے اور غیر ملکی کپڑا انہیں استعمال کرنا چاہیئے۔ ۵ مئی کو کستوربا نوساری پہنچی اور وہاں کے مردوں اور عورتوں سے اپیل کی کہ وہ گاندھی جی کے عدم تشدد اور سچائی کے پیغام کو یاد رکھیں۔ جلدی سوراج حاصل کرنے کا یہ ہی واحد طریقہ ہے۔ ہماری لڑائی سچی ہے اور خدا ہمارے ساتھ ہے۔ جب جلسہ ختم ہوا تو کستوربا نے غیر ملکی کپڑوں کا ایک ڈھیر آگ کے سپرد کیا۔ دوسرے دن خارواد اور نیار کے گاؤں میں تقریر کی اور کہا کہ اگر سب لوگ ستیہ گرہ کریں تو حکومت دو مہینوں کے اندر اندر ہتھیار ڈال دے۔ اُن سے بھی یہ ہی کہا کہ تم غیر ملکی کپڑا استعمال مت کرو۔ شراب پینا چھوڑ دو۔ عدالتوں میں مت جاؤ اور اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کرانے کے لئے پنچائتیں بناؤ۔ گانگرس کے رضا کار جو نمک تیار کریں اُسے کھاؤ کستوربا نے بہت سی عورتوں کو شراب اور تاڑی کی دوکانیں بائیکاٹ کرنے کے لئے تیار کیا۔

۱۲ مئی کراڈی سے دھراسنا عباس طیب جی کی سرکردگی میں ۵۹ رضا کار جا رہے تھے کستوربا بھی ان کے ساتھ تھی۔ اُس نے طیب جی اور دیگر رضا کاروں کے ماتھے پر کُم کُم لگایا اور اُن

کو آشیرباد دی اور کہا کہ خدا تمہیں حکومت کے ساتھ عدم تشدد کی جنگ میں مدد دے۔ جب یہ باوفا رضاکار گرفتار کئے گئے۔ تو بھی کستوربا وجود تھی۔ میرا من کے ساتھ کستوربا ۱۲ رمئی کو یرواده جیل میں گاندھی جی سے ملیں اور اس بات کی اجازت چاہی کہ عورتیں بھی ستیہ گرہ کی تحریک میں شامل ہوں۔ اسی رات دہرآسا کو روانہ ہوگئیں۔ جب ملک اس مصیبت میں گرفتار تھا تو کستوربا نے بمبئی کی آئین ساز کونسل کے ممبروں سے مستعفی ہونے کے لئے کہا تاکہ حکومت کی طرف سے جو سختی ہو رہی تھی اس پر نا راضگی کا اظہار کیا جائے ۲۰ر جون کو وہ نوساری سے دہلی پہنچی۔ راستے میں اپنے لڑکے سے ملی۔ وہ خاص جیل میں قید تھا۔ دہلی کے اسٹیشن پر ہزاروں آدمی اس کے استقبال کے لئے جمع تھے۔ تقریباً بیس ہزار آدمی جلوس میں شامل ہوئے، اور وہ لکشمی نرائن گدودیا کے مکان پر ایک دن ٹھہری۔ دوسرے دن مہارانی کے باغ ایک بڑا جلسہ ہوا۔ پاروتی دیوی اس جلسہ کی صدر تھیں۔ اور پچیس ہزار کے مجمع میں کوئی تین ہزار کے قریب عورتیں تھیں۔ کستوربا نے بڑی سیدھی، سادھی اور سادہ ہندوستانی بولی میں تقریر کی اور زور سے لوگوں کو کہا کہ غیر ملکی کپڑا مت استعمال کرو۔ شراب مت پیو اور عدم تشددسے آزادی کی جنگ لڑو۔ زنانہ رضاکاروں نے جو کام کیا تھا۔ اس کی بڑی تعریف کی۔ اور اسی رات گجرات واپس روانہ ہوگئی۔ دوسرا

صبح امرتسر میں بڑا استقبال کیا گیا۔ شام کو تقریباً ایک میل لمبا جلوس بازاروں سے گزرا جہاں جھنڈیاں وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ جلوس پر ہر طرف سے پھول برسائے گئے۔ جلیانوالے باغ میں ایک بڑا بھاری جلسہ ہوا۔ وہاں بھی کستوربا سادہ ہندوستانی میں بولی اور کہا کہ فرقہ دارانہ جھگڑا آزادی کے راستہ میں بڑی بھاری کاوٹ ہے۔ کستوربا ایک ہندو بیوی کی طرح اپنے خاوند کا ہاتھ بٹا رہی تھی

شام کی گاڑی میں بیٹھ کر کستوربا گجرات روانہ ہوگئی اور ۲۳ر جون رات کے دو بجے وہاں جا پہنچی۔ وہاں بڑی مشغولیت رہی صبح اُٹھتے ہی عورتوں کے جلسے میں تقریر کی اور اُن سے چرخہ کاتنے کو کہا۔ پھر جیل میں جاکر لڑکے سے ملاقات کی اور اس کے بعد موٹر میں سوار ہوکر کنجاہ گئی اور وہاں پیارے لعل کی بیوی سے ملی شام کو گجرات کے شہر میں بڑا بھاری جلوس نکالا گیا۔ سات ہزار کے قریب عورتیں جلوس میں قومی گیت گاتی جاتی تھیں۔ سب عورتوں نے کھدر پہن رکھا تھا۔ جلسہ میں ایک ایڈریس پیش کیا گیا۔ جواب میں کستوربا نے کہا کہ ہم اپنے کارکنوں کی عزت صرف ایک طریقے سے کرسکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہم ان کی بات کو سنیں اور اس پر عمل کریں۔ یعنی غیر ملکی کپڑا بالکل نہ استعمال کریں اور صرف کھدر پہنیں اور شراب پینا چھوڑ دیں۔

گجرات سے شام کی چھ بجے کی گاڑی میں بیٹھ کر کستوربا میرٹھ

کے لئے روانہ ہوگئی۔ ساری سردی اُس نے مختلف مقامات کا دورہ کیا اور ضلع برساد کے دیہات میں گئی۔ وہاں ستیہ گرہ جاری تھا۔ لوگ ٹیکس دینے سے انکاری تھے۔ ہر مقام پر لوگ جوق در جوق آتے تھے۔ گاندھی جی کی طرف سے وہ لوگوں کو کہتی تھی کہ خوشی سے مصیبتوں کا سامنا کرو۔ کیونکہ قربانی کرنے سے ہی سوراج مل سکے گا۔

مارچ ۱۹۳۱ء میں کستوربا کراچی کے انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شامل ہوئی۔ اس کے صدر ولبھ بھائی پٹیل تھے۔ انہی دنوں میں بھگت سنگھ کو پھانسی دیا گیا تھا۔ اور لاہور کے سازش کے مقدمہ میں سُکھ دیو اور راج گورو کو بھی پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ گاندھی جی بھی اور ساتھوں سمیت دہلی سے کراچی گئے۔ اسی اثنا میں لارڈ ارون ہندوستان سے چلے گئے اور لارڈ ولنگڈن ان کی جگہ وائسرائے مقرر ہوئے، گاندھی جی اُن سے ملے اور یہ طے پایا کہ دوسری گول میز کانفرنس جو سردیوں میں لنڈن میں ہونے والی ہے اس میں گاندھی جی بھی شامل ہوں گے۔

(۹)

جیل کی زندگی۔۱

گاندھی جی گول میز کانفرنس کے ختم ہوجانیکے بعد انگلستان ٹھہرتے مگر ہندوستان سے ان کے ہم وطنوں کی گرفتاریوں اور خصوصی قوانین[1] کی اجراء نے انھیں واپس آنے پر مجبور کیا پنڈت موتی لعل نہرو جی اس وقت کی ملک کی فضا کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"جب[2] ہم گرفتار ہوئے تو اسکے دو دن بعد گاندھی جی

---

1. Ordinances.

2. An Autobiography by Jawahar Lal Nehru, p. 321.

جہاز سے بمبئی اُترے ۔تب ان کو جو کچھ یہاں ہوا اس کا پتہ چلا - لنڈن میں گاندھی جی نے بنگال کے لئے جو خصوصی قانون جاری ہوا اس کے متعلق سُنا تھا اور اُن کا دل بڑا رنجیدہ ہوا تھا - اب انھیں معلوم ہوا کہ صوبجات متحدہ اور صوبہ سرحدی کے لئے بھی اسی طرح کے قوانین بننے والے ہیں اور اُن کے نزدیکی رفیق مذکورہ بالا صوبوں میں گرفتار کر لئے گئے ہیں - اب کیا تھا گویا صلح کا دروازہ بند ہوگیا پھر بھی گاندھی جی نے لارڈ ولنگڈن سے ملاقات کرنی چاہی مگر دہلی سے خبر ملی کہ ملاقات چند شرائط کے ساتھ ہوگی یعنی ان خصوصی قوانین کا جو حال میں جاری کئے گئے تھے کچھ ذکر نہ ہوگا (نوٹ:- جواہر لعل جی لکھتے ہیں کہ وائسرائے کا خط تو میرے پاس نہیں ہے مگر مجھے ایسا یاد پڑتا ہے) بھلا گاندھی یا دیگر کانگرسی ان معاملات پر جو ملک کے درپیش تھے اگر بات چیت نہ کرتے تو اور کیا کرتے - اس سے صاف ظاہر تھا کہ حکومت کانگرس کے اقتدار کو توڑنا چاہتی تھی اور کسی سمجھوتے کے لئے تیار نہ تھی - کانگرس کی کارکن کمیٹی اب کیا کرتی سوائے اس کے کہ سول نافرمانی (ستیہ گرہ) جاری کرتی - کارکن کمیٹی کے ممبر بھی گرفتار ہونے والے ہی تھے - اور وہ چاہتے تھے کہ اس کام کو جیل جانے سے پہلے شروع

کر دیں تاکہ لوگوں کے لئے سرمشق ہو؛
سول نافرمانی والا رزولیوشن وقتی طور پر پاس ہوگیا۔ پھر دوبارہ گاندھی جی نے وائسرائے سے ملنے کی کوشش کی اور بلاشرط ملاقات کے لئے تار بھی بھیجا۔ جواب میں گاندھی جی کو اور کانگرس کے صدر کو بھی گرفتار کرا لیا گیا اور سارے ملک میں سختی سے کام لیا گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ حکومت برسرپیکار تھی۔

۴ جنوری ۱۹۳۲ء کی صبح ۳ ½ بجے گاندھی جی اور سردار پٹیل دونو کو گرفتار کیا گیا۔ اور ان کو یرواده جیل لے جایا گیا گرفتاری بھی ۱۸۲۷ء کے قانون زیر دفعہ ۲۵ کے ماتحت کی گئی۔ یعنی وجہ نامعلوم تھی۔ کستوربا اس وقت وہاں ہی تھی گاندھی جی نے حسب معمول سب کو الوداع کہا، اسی دن کانگرس کی کارکن کمیٹی بھی خلاف قانون قرار دے دی گئی۔ اور چار خصوصی قانون بھی وائسرائے کی طرف سے جاری کئے گئے۔ جن کے مطابق پولیس اور لوکل حکام کو بے حد اختیار دیدیئے گئے۔ لارڈ ولنگڈن صاحب چاہتے تھے کہ ہندوستان کو خوب دبایا جائے اور سیاسی تحریک ملیا میٹ کی جائے۔ ولبھ بھائی پٹیل کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اور ہر جگہ بغیر سوچے سمجھے گرفتاریاں کی گئیں بعض جگہ لاٹھی بھی چلائی گئی۔ اور کئی مقامات پر گولی بھی چل گئی

جب ملک کی یہ نازک حالت تھی تو بھلا کستوربا کیونکر آشرم میں بیٹھی رہتی۔ اُس نے بھی فوراً فیصلہ کیا اور دورے پر نکل کھڑی ہوئی۔ گاؤں گاؤں میں گھومتی پھری۔ منی بن پٹیل اس کے ساتھ تھی اور ہر جگہ تقریریں کیں۔ بردولی کے نزدیک ایک گاؤں میں اُسے بھی گرفتار کر لیا گیا اور سابرمتی جیل میں لے گئے۔ ۱۵ تاریخ کو اُسے الپولا ضلع سورت کے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا اور تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۷ الف اس پر عائد کی گئی۔ اور عورتیں بھی گرفتار ہوئیں۔ سب نے عدالت کی کارروائی میں حصہ لینے سے انکار کیا اور جب تک مقدمہ ہوتا رہا خاموش کھڑی رہیں۔

سرکار کی طرف سے پولیس کے سپرنٹنڈنٹ کی گواہی ہوئی انہوں نے بیان دیا کہ چند روز ہوئے جب بردولی کے ستیہ گرہ آشرم پر قبضہ کیا گیا تو ایک خط مورخہ ۶ جنوری ملا۔ جس میں کانگرس کا پروگرام بردولی کے لیئے درج تھا۔ اس میں کستوربا اور منی بن پٹیل اور مٹیٹ صاحب کی بیوی کا دورے پر جانے کا ذکر بھی تھا۔ جب ہمیں پتہ چلا کہ کستوربا اور دیگر اس کے ساتھی ۱۰ تاریخ کو بردولی پہنچ گئے تو ہم نے ایک کانسٹبل کو ان کی دیکھ بھال کے تعینات کیا۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ ایک جلوس بھی نکالا گیا اور سیدہ گاؤں میں ایک جلسہ بھی ہوا۔ اس میں کستوربا اور

اس کے ساتھیوں نے تقریریں کیں اور سول نافرمانی کا پروگرام بھی بیان کیا گیا۔ تب ہم نے ان کو گرفتار کر لیا۔

کستوربا کو ۱½ مہینہ کی قید محض ہوئی اور اس کے ساتھیوں کو ۳½ مہینہ کی قید سخت کے علاوہ سو سو روپے جرمانہ کی سزا دی گئی اور اگر جرمانہ ادا نہ کریں تو دو دو مہینے اور قید رہیں سزا کا حکم سب نے بڑے اطمینان سے سُنا۔

کستوربا نے مجسٹریٹ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا "آپ نے یہ فرق کیوں کیا۔ مجھے صرف ۱½ ماہ کی قید کی سزا دی۔ کیا میں جیل سے پہلے نکل آؤں اور اپنے ہم وطنوں کو یہ بات سکھلاؤں کہ لاٹھیاں کس طرح کھایا کرتے ہیں؟ میں اپنی لڑکیوں کو جیل میں کیسے چھوڑ کر آؤں۔ مجھے بھی اتنی ہی سزا دیجئے جتنی دوسروں کو دی ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے جواب میں کہا کہ جو کچھ ہوا سو ہوا میں اپنے حکم کو بدل نہیں سکتا۔ کستوربا کو "اے" کلاس دیا گیا اور انھیں اخبار "جامِ جمشید" پڑھنے کی بھی اجازت دی گئی۔ الغرض کستوربا نے قید کے دن بڑی خوشی سے سابرمتی جیل میں گذارے۔ وہ چرخہ کاتتی اور کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی ابھی جیل میں رہتے پانچ دن ہوئے تھے کہ اُسے خبر ملی کہ اس کا لڑکا رام داس سورت میں ۱۸ر جنوری کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

Ordinances.

۲۹ رفروری کی صبح کو کستوربا کو قید سے رہا کر دیا گیا۔ جیل سے نکلتے ہی پہلا کام جو اس نے کیا وہ بردولی کے آشرم کے باقیماندہ نوجوانوں سے ملنا تھا۔ یہ سن کر اس کو بڑی خوشی ہوئی کہ وہ سب اچھی طرح سے تھے مگر اُسے چین نہ تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھی اور گاندھی جی ابھی قید میں تھے اور یہ بات اُسے دکھ دے رہی تھی۔ گرفتاری سے پہلے کستوربا گاندھی جی سے یرواده جیل میں ملنے گئی۔ بیگم مارچ کو دیو داس کو میرٹھ میں چھ مہینے قید کی سزا اور دو سو روپیہ جرمانہ ہوگیا۔

کستوربا ۱۲ر مارچ کو احمد آباد پہنچی اور دوسرے دن ہی نو ۹ عورتوں کے ساتھ بردولی کو روانہ ہوگئی۔ اس کا ارادہ تھا کہ لوگوں سے کہے کہ ٹیکس مت دو اور غیر ملکی کپڑا مت پہنو۔ ۱۴ تاریخ کو ایک جلوس نکالا گیا۔ جو لوگ اس جلوس میں شامل تھے ان سے تتر بتر ہونے کو کہا گیا۔ جب انہوں نے انکار کیا تو اُن سب کو گرفتار کر لیا گیا اور مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مجسٹریٹ صاحب نے کستوربا کو چھ ماہ کی قید اور دو سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی۔ اور اگر جرمانہ نہ دے تو دو ماہ اور قید رہے۔ ایک شخص کو چھ ماہ کی قید اور پانسو روپیہ جرمانہ کی سزا دی گئی۔ باقیوں کو چھ چھ ماہ قید اور دو دو سو روپیہ جرمانہ اور اگر جرمانہ ادا نہ کریں تو ½۱ ماہ کی مزید قید۔ سب کو "سی" کلاس دی گئی۔ ۱۷ر تاریخ کو کستوربا کو بردولی سے سابرمتی جیل میں لایا گیا اور باقی سیاسی قیدیوں کے

ساتھ رکھا گیا۔ سارے ملک میں "سی" کلاس دینے پر سنسنی پھیل گئی۔ کستوربا کو بھی معمولی قیدیوں کی طرح "سی" کلاس دینا کیا معنی رکھتا؟ لوگ کہہ رہے تھے۔ کہ پھر "اے" کلاس کن کے واسطے ہے؟

جب سارے ملک میں اور اخباروں میں اس کے متعلق ہل چل مچ گئی تو فوراً اثر ہوا۔ جب کستوربا کو سابرمتی جیل میں لایا گیا تو حکم ہوا کہ اُسے "اے" کلاس میں رکھا جائے۔ اطلاعات کے محکمہ کے ڈائرکٹر صاحب نے ۷ ارمارچ کو اخباروں کے نام ایک خط لکھا جس میں یوں لکھتے ہیں۔

"اخباروں میں جو رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ کستوربا کو ایک مجسٹریٹ صاحب نے "سی" کلاس دے رکھا ہے۔ ایسا معلوم ہونے پر تار سے ہدائت کی گئی ہے کہ اُس کو "اے" کلاس دیا جائے اور اس کے متعلق سورت کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے سابرمتی جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے نام ہدایت جاری کردی ہے۔ کستوربا اسی جیل میں تبدیل کردی گئی ہے۔"

حکومت برطانیہ نے ۱۶ اراگست ۱۹۳۲ء کو فرقہ وارانہ بانٹ کا اعلان کیا۔ گاندھی جی اس پر بڑے خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے سرسموئیل ہور کو جو اس وقت وزیر ہند تھے ایک خط لکھا اور کہا کہ اگر اس فرقہ وارانہ بانٹ پر عمل کیا گیا تو میں بھوک ہڑتال

کر دوں گا اور انہوں نے ۲۰ ستمبر آخری تاریخ مقرر کر دی۔ جب یہ خط و کتابت شائع ہوئی تو سارے ملک میں بلکہ ساری دُنیا میں سنسنی چھا گئی۔ گاندھی جی کو کچھ شرطوں کے ساتھ رہا ہونے کے لئے کہا گیا۔ مگر وہ نہ مانے۔ جب حکام کو اس بات کا پتہ چلا تو مرکزی اسمبلی میں اس بات کا چرچا ہوا کہ حکومت گاندھی کو رہا کرنا نہیں چاہتی۔ اسی اثناء میں ۱۹ ستمبر کو پونہ میں بڑے بڑے آدمیوں کی ایک کانفرنس ہوئی اس کے صدر پنڈت مدن موہن مالوی تھے بہت دیر تک سوچ بچار کرنے کے بعد جو کچھ طے ہوا اُسے گاندھی جی بھی مان گئے۔ گاندھی جی نے یرواده جیل میں ایک آم کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر ۲۰ ستمبر کو بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ کستور با جو اس وقت سابرمتی جیل میں تھی۔ وہاں سے یرواده جیل میں لائی گئی اور وہ ۲۲ ستمبر کو گاندھی جی کی خدمت کے لئے وہاں پہنچ گئی۔ اس لئے کہ ہجوم اکٹھا نہ ہو اُسے کرکی ریلوے سٹیشن پر اُتار لیا گیا اور ایک بند گاڑی میں جیل لے جایا گیا۔ اُس کے ساتھ مسٹر کارڈن سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی تھے۔ کستور با گاندھی جی کے پاس رہ کر ان کی خدمت کرتی رہی۔

پیارے لعل صاحب لکھتے ہیں:۔

۲۲ تاریخ کو جب کستور با کی قید ختم ہونے والی تھی اُسے

Epic East p. 49.

سابرمتی جیل سے نکال کر یرودا دہ جیل میں لے گئے اور وہاں اُسے گاندھی جی کے پاس رہنے کی اجازت تھی، کستوربا بڑی ہمتین اور بااستقلال عورت تھی۔ اس کے چہرے سے ذرا بھی گھبراہٹ یا رنج ظاہر نہ ہوتا تھا۔ گاندھی جی سے ملنے کے وقت کستوربا نے مزاح کے طور پر کہا کہ پھر وہی قید۔ مگر ظاہر ہی تھا کہ اُن کے دل میں کس قدر قلق تھا۔ وہ فوراً ہی تیارداری میں لگ گئیں۔

جب یہ خبر ملی کہ سیاست دانوں میں سمجھوتا ہوگیا ہے تو کستوربا کے ساتھ ساتھ سروجنی نیڈو اور سردار پٹیل بھی وہاں ہی تھے حکومت ہند کو بھی سمجھوتے کی خبر دی گئی اور حکومت برطانیہ کو بھی اطلاع ہوئی۔ حکومت برطانیہ نے بھی ۲۶ ستمبر تو اپنی رضامندی دے دی اور اعلان بھی کردیا گیا۔

اس دن وزیراعظم برطانیہ کا جواب بھی شام ۴ ½ بجے وصول ہوا۔ گاندھی جی ایک چارپائی پر لیٹ رہے تھے جو ایک درخت کے سایہ میں تھی، وہاں ہی انہوں نے اس جواب کو پڑھا اور پھر ایک دوست کو پڑھنے کے لئے دیا۔ مرحوم شاعر رابندرناتھ ٹیگور بھی اس وقت پونہ میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب گتیانجلی سے ایک گیت گایا۔ حاضرین نے گاندھی جی کا من بھاتا گیت جو وہ آشرم میں گایا کرتے تھے گایا۔ کملا نہرو نے دو میٹھے لیموں کا رس نکال کر کستوربا کو دیا اور اُس نے گاندھی کو دیا۔ ۲۶ ستمبر

بروز سوموار شام کے ۵ بجے گاندھی جی نے بھوک ہڑتال بند کردی۔ ۹ ستمبر والے دن ملاقاتیں سب بند کردی گئیں۔ یہاں تک کہ کستوربا بھی اُن سے نہ مل سکتی تھی، ۳۰ ستمبر کو اُسے رہائی سے چار دن پیشتر ہی رہا کردیا گیا۔ ابھی گاندھی جی بڑے کمزور تھے اور اُن کو تیمار داری کی ضرورت تھی اس لئے کستوربا کو پھر بلا لیا گیا تاکہ چند تک اور اُن کے پاس رہے۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دیوداس جو گاندھی جی کے صاحبزادے تھے اور یکم اگست کو بیمار ہونے کی وجہ سے جیل سے رہا کئے گئے تھے اپنے باپ سے نہ مل سکتے تھے۔ کیونکہ کسی کو بھی ملنے کی اجازت نہ تھی

کستوربا چند روز آشرم میں رہنے کے بعد مدراس احاطہ کا دورہ کرنے گئی اور ۲۹ نومبر کو وہاں پہنچی۔ سٹیشن پر بڑے ہجوم نے استقبال کیا اور ہار پہنائے۔ شام کو پبلک جلسہ ہوا جس میں بہت سی جماعتیں شامل تھیں اور مدراس کا ہریجن سیوا سنگ اور خواتین کی جماعت بھی شامل تھی اور سب کی طرف سے ایڈریس پیش کئے گئے۔ جواب دیتے کستوربا نے کہا کہ قومی پروگرام میں اچھوتوں کے سدھار کا بھی ذکر ہونا چاہیے۔ ان کے راستے سے سب رکاوٹیں ہٹا دینی چاہئیں پھر کستوربا اندا ھودگئی یہ گاؤں گورڈیور سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں سے کشتی پر سوار ہوکر آندرے گئی اور لوگوں نے

Address.

(مردوں اور عورتوں) بڑی آؤبھگت کی۔ ایک پالکی کستوربا کے لئے لائے۔ مگر اس نے اس میں سوار ہونے سے انکار کیا۔ تب سب لوگ پیدل ہی جلسے میں گئے۔ ایک ہفتہ تک پونا کے علاقہ میں دورہ کرنے کے بعد کستوربا اور اس کے ساتھی کالی کٹ واپس آئے۔ یہ ۸ دسمبر کا واقعہ ہے۔ ۱۳۰ دسمبر کو وہ بنگلور پہنچی اور وہاں جلسے میں تقریر کی میونسپل کمیٹی نے ایک ایڈریس پیش کیا۔ چند اور مقامات پر جاکر وہ گجرات واپس لوٹی۔

(۱۰)

جیل کی زندگی - ۲

کستوربا موضع رس میں ۴ رفروری ۱۹۳۳ء کو گرفتار کی گئیں۔ ان کے ساتھ چھ اور عورتیں تھیں اور انہوں نے مل کر گاؤں میں ایک کانفرنس کی جس کا منشا یہ تھا کہ جس طرح وہ کہیں اسی طرح کیا جائے۔ تقریباً سو کے قریب گاؤں کی عورتیں حاضر تھیں۔ جیسے ہی ایک کوچے کے کونہ سے جلوس نکلا اور کانگرسی نعرے بلند ہوئے پولیس افسروں نے جو اسی مطلب کے لئے وہاں موجود تھے اور جو فصل حکومت نے ضبط کئے ہوئے تھے ان کی نگرانی کر رہے تھے جلوس کو روکا۔ کستوربا اور چھ عورتوں کو گرفتار کیا گیا اور باقیوں کو تتر بتر کیا گیا۔ گرفتار شدہ عورتوں کو بورسد لے جایا گیا اور حوالات میں

بند کر دیا گیا

۷ رفروری کو مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ مجسٹریٹ صاحب کا کمرہ بالکل بھرا ہوا تھا۔ مدعی جناب قمر علی وییہ جو کھاتہ کے پولیس انسپکٹر تھے بیان دیتے ہوئے کہنے لگے کہ بورساد کی کانگریس کمیٹی کا پروگرام جاری کرنے کے لئے (یہ کمیٹی برخلاف قانون قرار دی گئی تھی) دیگر کانگرس کمیٹیوں نے مل کر ایک کانفرنس رس کے گاؤں میں منعقد کی۔ ملزمہ تقریباً دو سو عورتوں کے آگے آگے کانگرسی نعرے لگا رہی تھی عورتوں نے کانگرسی نشان لگا رکھے تھے اور کستوربا نے صدارت کا نشان لگایا ہوا تھا۔ سرکردہ عورتوں کو گرفتار کر لیا گیا اور باقیوں کو تتر بتر کر دیا گیا۔ بیان دیتے ہوئے انسپکٹر صاحب نے یہ بھی کہا کہ کستوربا کے سوا باقی گرفتار شدہ عورتوں نے قانون شکنی کی وہ گاؤں کا دورہ کرتی تھیں اور لوگوں کو سول نافرمانی کرنے کو کہتی تھیں اور قانون توڑنے کے لئے آمادہ کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ حکومت کو ٹیکس مت دو۔

سب ملزموں نے کہا کہ ہم بے قصور ہیں اور عدالت کی کارروائی میں کوئی حصہ نہ لیا اور کہا کہ قومی خدمت کرنا ہمارا پیشہ ہے مجسٹریٹ صاحب نے کستوربا کے برخلاف زیر دفعہ ۱۷ الف (ترمیم شدہ تعزیرات ہند) فرد قرار جرم قائم کیا اور دوسری عورتوں کے برخلاف دفعہ ۱۷ (ب) لگائی گئی۔ کستوربا نے مجسٹریٹ صاحب سے کہا کہ میں تو دوسری

عورتوں کی نسبت زیادہ مجرم ہوں۔ مجھ پر بھی وہی دفعہ عائد ہونی چاہیئے۔ ایک ملزمہ کے متعلق اس کے خاوند نے درخواست دی کہ اس کی بیوی ضمانت پر رہا کی جائے۔ مگر جب عدالت نے اُس عورت سے پوچھا کہ تم ضمانت پر رہا ہونا چاہتی ہو تو اس نے انکار کیا۔ دوسرے دن مجسٹریٹ صاحب نے حکم سُنا دیا۔ کستوربا کو چھ ماہ قید اور پانسو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی اور اگر جرمانہ ادا نہ کرے تو چھ ماہ مزید قید۔ دوسری عورتوں میں سے ہر ایک کو ۱½ سال قید اور دوسو روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی۔ کستوربا کو "اے" کلاس ملا اور باقیوں کو "سی" کلاس دیا گیا۔

سب ملزموں کو سابرمتی جیل میں ۹ رفروری کو لے جایا گیا۔ میرا بن کو بھی بمبئی کے جیل سے وہاں ہی لایا گیا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ملک کے بڑے بڑے سرکردہ سیاست دان وطن کی حالت سدھارنے کے ذرائع سوچ رہے تھے۔ گاندھی جی بھی ایک نرالی شخصیت ہیں۔ اُن کے دل کی حالت کون جانے۔ نزدیکی دوستوں کو بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ جب کسی کام کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر دُنیا کی طاقت اُن کو روک نہیں سکتی تھی۔ ۳۰ راپریل ۱۹۳۳ء کو انہوں نے ۲۱ دن کی بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ کیا اور یہ بھوک ہڑتال ۸ رمئی سے شروع ہوئی تھی۔ اور اس کا مقصد صرف اپنے اندر کی صفائی کرنا

تھا۔ حکومت نے بھی اُن کو پہلے دن ہی رہا کر دیا۔ گاندھی جی کو پرناکٹی یعنی ٹھیکرسے کی بیوی کے بنگلے میں لے جایا گیا۔ پانچ دن کے بعد کستوربا کو بھی سابرمتی جیل سے رہا کر دیا گیا۔ رام داس نے اپنی والدہ کا جیل کے دروازہ پر استقبال کیا اور اُسے سابرمتی آشرم میں لے آیا۔ والدہ کی صحت اچھی تھی۔ اگرچہ جب سے گاندھی جی نے بھوک ہڑتال کی تھی وہ بھی صرف دودھ اور پھل پر گذارہ کرتی تھی لوگوں کے کہنے سُننے سے اس نے خوراک حسب معمول شروع کر دی چنانچہ یہ امّی کو اپنے بیٹے ہیرالعل کے ساتھ وہ پرناکٹی جا پہنچی۔ ٹھیکرسے کی بیوی نے جل گاؤں کے سٹیشن پر اس کا استقبال کیا۔ وہ ذرا کمزور اور گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ وہ دن گاندھی جی کا خاموشی کا دن تھا۔ ریل سے اُترتے ہی کستوربا موٹر میں سوار ہو کر پرناکٹی پہنچی۔ ابھی گاندھی جی نے بولنا پسند نہ کیا تھا اور وہ کستوربا سے ملنا اور بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ پچھلے تین دنوں سے انتظار میں تھے۔ والدہ اور بیٹے کو بھی گاندھی جی کی بھوک ہڑتال کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ کستوربا جلدی جلدی سیڑھیوں پر چڑھی گاندھی جی مسکرائے اور مل کر بڑے خوش ہوئے۔ ستیہ گرہ آشرم اور دیگر مضامین پر بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرے دن ایسوسی ایٹڈ پریس نے مندرجہ ذیل تار سب اخباروں کو روانہ کیا:۔

" اخباروں کے نامہ نگاروں نے جب دریافت کیا کہ کیا کستوربا

Associated Press.

اور گاندھی جی کی ملاقات جذباتی تھی تو سروجنی نیڈو نے جواب میں کہا کہ جذبات کے کیا معنی۔ ملاقات حسب معمول تھی۔ اور جذبہ بھی کیا ہوتا۔ پچاس سال تو شادی ہوئے گذر چکے تھے۔ کستوربا کی تربیت گاندھی جی کے زیر اثر ہوئی تھی اور کوئی غیر معمولی مظاہرہ ممکن نہ تھا۔ وہ ایسی باتوں کی عادی ہو گئی تھی۔"

کستوربا اپنا بہت سا وقت گاندھی جی کے ساتھ گذارتی اور کبھی بنگلے سے باہر نہ جاتی تھی۔ ۱۶ مئی کو ٹھیکرسے کی بیوی کے ساتھ خوب بات چیت ہوتی رہی۔ جب اخبار کے نامہ نگار نے کستوربا سے گاندھی جی کی صحت کے متعلق دریافت کیا تو مسکرا کر بولی۔ میں کیا کہوں؟ ابھی تو اچھے ہیں۔ وہ بولتے بہت کم ہیں مگر آواز ویسی ہی ہے اگرچہ ذرا دھیمی ضرور ہو گئی ہے۔

ایک اور اخبار والے نے سوال کیا کہ کیا گاندھی جی اس بھوک ہڑتال سے بچ نکلیں گے؟ کستوربا نے کہا کہ جو پرماتما کی مرضی ہے۔ وہی ہوگی۔ مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے۔

تھوڑی دیر بعد پرارتھنا کی گھنٹی بجی اور کستوربا فوراً اٹھی اور کہنے لگی۔ مجھے پرارتھنا کے لئے جانا ہے۔

۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو گاندھی جی کی بھوک ہڑتال کی ۲۱ دن کی آتشی آزمائش ختم ہو گئی۔ ½ ۱۲ بجے انہوں نے کستوربا کے ہاتھ آدھا گلاس سنگترے کے رس کا پیا۔ اس دن کستوربا بھوک ہڑتال کے ختم ہو جانے

پر بڑی خوش تھی اور وہ گاندھی جی کے سرہانے بیٹھی رہی جب تک کہ پرارتھنا ختم نہ ہو گئی۔ رس کا گلاس دیتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں روشن تھیں اور خوشی کے مارے پھولی نہ سماتی تھیں۔ اس کامیاب اختتام کی یادگار میں اُس نے پرناکٹی میں بمبئی کے مشہور الفانسو آم کا ایک درخت اپنے ہاتھ سے لگایا۔ اس کی خوشی کا اندازہ مفصلہ ذیل پیغام سے لگایا جا سکتا ہے۔

"شکر ہے کہ بھوک ہڑتال کا کامیاب خاتمہ ہوا۔ پرماتما نے قوم کی پرارتھنا کو سُن لیا۔

"میں ان بہنوں کی (اپنی ہموطنوں کی اور جو دوسرے ملکوں میں ہیں) جو پرارتھنا کرتی رہیں نہایت ہی مشکور ہوں۔ میری خوشی کا تو کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ مگر مجھے اور خوشی ہوگی جب ہریجنوں کو بھی وہی درجہ دیا جائے گا جو دوسرے ہندوؤں کو دیا جاتا ہے۔"

معلوم رہے کہ کستوربا بھی ۲۸ مئی سے برابر بھوک ہڑتال کر رہی تھی اور اس نے بھی اُسی دن کچھ کھایا جس دن گاندھی جی نے کھایا مسلمان کستوربا کی کس قدر عزت کرتے تھے مفصلہ واقعہ سے ظاہر ہے۔ ایک مسلمان نے اُس کے لئے ۲۹ مئی کو چوڑیوں کی جوڑی روانہ

کی اور ساتھ "کم کم" بھی بھیجا اور ایک خط میں لکھ بھیجا "میری طرف سے نذرانہ قبول فرمایئے اور اسے پہن لیجئے، یہ ہمیشہ کے لئے ایک خوش بختی کا نشان ہوگا" کستوربا نے تحفہ کو بڑی خوشی سے منظور کیا اور جب گاندھی جی نے اس کے متعلق سُنا تو وہ بھی بڑے حیران ہوئے۔

ماہ جون کے پہلے ہفتہ میں گاندھی جی کے لڑکے دیوداس کی منگنی راج گوپالاچاریہ جی کی لڑکی لکشمی جی سے قرار پائی، لڑکی ۱۱ رجون کو پونہ آگئی۔ اور ۱۴ رجون صبح ۴½ بجے شادی بھی ہوگئی۔ گاندھی جی اور کستوربا نے انھیں ہاتھ سے کاتے ہوئے سوت کی بنی ہوئی مالا تقویم کی۔

اسی اثنار میں انڈین نیشنل کانگرس کے صدر اینی صاحب نے گاندھی جی سے مشورہ کرنے کے بعد سول نافرمانی کو ۳۱ رجولائی تک معطل کر دیا۔ پہلے بھی ۸ رمئی کو ایک دفعہ یہ تحریک ملتوی کر دی گئی تھی۔ اس وقت گاندھی جی سے قید سے رہا ہوئے تھے۔

آرام اور صحت یابی کے لئے گاندھی جی کچھ عرصہ تک پرنا کُٹی میں رہتے رہے اور کستوربا ان کی دیکھ بھال کرتی رہی۔ ان ہی دنوں کانگریسی لیڈروں کا ایک جلسہ پونہ میں تلک مندر میں ۱۲ اور ۱۳ رجولائی کو ہوا اس کے صدر اینی صاحب تھے۔ گاندھی جی اگرچہ بہت کمزور تھے پھر بھی جلسے میں شامل ہوئے۔ اور تقریر کرتے ہوئے انہوں نے اپنے نظریہ کو بیان کیا۔ ۱۸ رجولائی کو گاندھی جی اور کستوربا اور دیگر اصحاب پونہ سے احمد آباد آئے۔ چونکہ آشرم نہیں ٹھہرے کا

کا ارادہ نہ تھا سب لوگ رنچھوڑ داس کے بنگلہ میں ٹھہرے۔ ۲۱ر جولائی کو گاندھی اور کستوربا سابرمتی جیل میں میرا بن سے ملاقات کرنے چلے گئے۔

۳۱ر جولائی کو گاندھی جی نے ایک بیان شائع کیا جس میں انہوں نے اس بات کا اعلان کیا کہ میں ۳۳ اور ساتھیوں کے ساتھ رس کے گاؤں میں جاؤں گا اور وہاں سے پھر آگے چلیں گے سابرمتی آشرم کو توڑ دیا۔ شام تک آشرم بالکل خالی ہو گیا، اسی شام کو کو جو پرارتھنا ہوئی اس میں گاندھی جی نے لوگوں سے کہا۔

"پچھلے ۱۸ سال سے ہم آشرم کے ذریعہ لوگوں کی خدمت کر رہے اور اب اسی خدمت کی خاطر ہم آشرم کو توڑتے ہیں اسے دوبارہ زندہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ اب تک تو آشرم میں رہنے والوں کی ذمہ داری مشترکہ تھی، اب ہر ایک اپنے لئے آپ ذمہ دار ہوگا گویا خود ہی "آشرم" ہوگا۔

روانہ ہونے سے پیشتر گاندھی جی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ۴۵ منٹ تک مشورہ کیا اور اُن سے کہا کہ اگر میں گرفتار بھی ہو گیا تو آپ سب نے آگے بڑھتے جانا جب تک کہ سب سے آخر کا ساتھی بھی گرفتار ہو جائے۔ کستوربا جو ساتھ جا رہی تھی گاندھی جی کی بات بڑے غور سے سنتی رہی اور بالکل تیار تھی۔

گاندھی جی بمعہ کستوربا اور دیگر ساتھیوں کے جو رس کی طرف

جانے کو تیار تھے۔ یکم اگست کو رات ایک بجے اور چالیس منٹ پر گرفتار کر لئے گئے۔ یہ گرفتاریاں ایک خاص قانون کے ماتحت ہوئیں۔ اس وقت سب لوگ سیٹھ رنچھوڑ داس جی کے بنگلہ میں موجود تھے، بیان کیا جاتا ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب اور سپرنٹنڈنٹ پولیس صاحب معہ اور پولیس کے افسروں کے رات ½ ۱ بجے کے قریب بنگلہ پر پہنچے، وہ موٹروں میں سوار تھے اور گرفتاریاں کرنے آئے تھے۔ شام سے ہی کچھ لوگ بنگلہ کے ارد گرد جمع ہو رہے تھے۔ لوگوں نے جب پولیس افسروں کو آتے دیکھا تو نعرے لگانے شروع کئے اور دوڑے ہوئے گاندھی جی اور کستور با اور ان کے دیگر ساتھیوں کی خوابگاہ کی طرف گئے، نعروں کی آواز سے وہ جاگ اُٹھے۔ پرارتھنا کے بعد بھجن پڑھے گئے۔ گاندھی جی اور کستور با اور مہادیو ڈیسائی اوپر سے نیچے آئے اور گرفتار کر لئے گئے۔ گاندھی جی سپرنٹنڈنٹ پولیس کی موٹر میں بیٹھے اور کستور با اور مہادیو ڈیسائی کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی موٹر میں بٹھلایا گیا اور سب کو سابرمتی جیل میں لے گئے۔ کستور با کو عورتوں کی جیل میں رکھا گیا اور انھیں "اے" کلاس ملی۔

ہندوستان کی سیاسی فضائیں پھر بادل چھا گئے سارے ملک میں یک دم ہڑتالیں ہو گئیں۔

کستور با کو تو سابرمتی جیل میں ہی رکھا گیا اور وہاں وہ اپنے بیٹے دیوداس سے ۳ اگست بروز دیروار ملی۔ مگر گاندھی جی اور

مہا دیو ڈیسائی کو دو اگست کو یرواڈہ جیل میں لے جایا گیا۔ گاندھی جی کو ۴ اگست صبح ۹ بجے رہا کر دیا گیا مگر پونے کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انھیں ہدایت کی کہ وہ جیل سے باہر نہ جائیں مگر گاندھی جی نے اس حکم کو نہ مانا اور تقریباً ایک گھنٹہ بعد پھر گرفتار کر لئے گئے۔ جناب اسرائیل صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کئے گئے اور ایک سال قید محض کی سزا کا حکم ہوا۔ مقدمہ کی سماعت جیل میں ہی ہوئی اور گاندھی جی نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔

کستوربا اور ۵ دیگر عورتوں کو ۷ اگست ۱۹۳۳ء بروز سوم وار ۹½ بجے صبح سابرمتی جیل سے رہا کر دیا گیا۔ سب کے لئے خاص قوانین کے ماتحت یہ حکم تھا کہ سول نافرمانی یا قانون کی خلاف ورزی نہ کریں یا کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے امن عامہ میں خلل پڑے اور جس مقام پر ان کو نظر بند کیا جاتا ہے۔ وہاں ہی رہیں اور جیل سے نکل کر دریا سابرمتی کے دائیں کنارے آشرم اور پھر اب پالدی کے گاؤں کے نزدیک بود و باش کریں۔

خان بہادر نادر شاہ نے جو سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے اس حکم کو عورتوں کو سنایا اور اُن سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا ارادہ ہے سب نے جواب میں کہا کہ ہم اس حکم کو نہیں مانتے اور جس جگہ ہمیں منتقل کیا جا رہا ہے وہاں ہم نہیں جاتے۔ چونکہ کستوربا اور اُن کے ساتھیوں نے جیل نہ چھوڑا اس لئے انھیں بھی دوبارہ ۱۰½ بجے

کے قریب گرفتار کر لیا گیا۔

دوسرے دن کستور باکو زیر دفعہ ۴ (خصوصی ایکٹ) کے تحت سٹی مجسٹریٹ کے سامنے قانون کی خلاف ورزی کرنے کے جرم میں پیش کیا گیا مجسٹریٹ صاحب جیل میں ہی تھے۔ کچھ لوگ اور اخباروں کے چند نمائندے بھی وہاں موجود تھے۔ کستور با کھدر میں ملبوس زیر نگرانی سپرنٹنڈنٹ پولیس ۸ بجے عدالت میں پیش کی گئی۔ عدالت نے اُسے کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ بیا لعل صاحب سب انسپکٹر سرکار کی طرف سے پیش ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے کستور با کو سرکاری حکم صاف طور سُنا دیا تھا اور جیل چھوڑ دینے کے لئے کہا تھا اور وقت گذر جانے کے بعد دس منٹ اور بھی دئے تھے۔ ایک اور سب انسپکٹر صاحب نے بھی اس کی تائید کی۔ کستور با نے دورانِ کارروائی میں کہا کہ میں حکم کو خوب سمجھ گئی تھی اور اسی لئے جیل سے باہر نہ گئی۔ عدالت نے دوبارہ شہادت طلب کی۔ اور سب انسپکٹر صاحب نے پھر کہا کہ حکم اچھی طرح سمجھا دیا گیا تھا خان بہادر نادر شاہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے بھی بیان دیتے ہوئے یہ ہی کہا کہ کستور با کو صاف طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ اگر وہ جیل سے نکل کر وہاں نہ گئی جہاں اس کو جانے کے لئے حکم دیا جاتا ہے تو اُسے دوبارہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ چنانچہ اُس کے لئے موٹر لبس بھی تیار کی گئی۔ مگر اُس نے حکم ماننے سے

انکار کیا اور کہا کہ میں حکم نہیں مانتی اور قانون توڑنا چاہتی ہوں۔

کستوربا نے جرح کرنے سے انکار کیا اور عدالت کی کارروائی میں کوئی حصّہ نہ لیا۔ جب عدالت نے دریافت کیا کہ تم کیا کام کرتی ہو تو ہنس کر جواب دیا کہ آپ کو تو معلوم ہی ہے۔

عدالت نے پھر پوچھا کہ تم کچھ کہنا چاہتی ہو تو جواب دیا کہ کچھ نہیں۔

میں نے حکم کو ارادتاً نہیں مانا۔ مجھے سب کچھ معلوم تھا اور میں جانتی تھی کہ نہ ماننے سے کیا نتیجہ ہوگا۔ جب عدالت نے پھر سوال کیا تو کستوربا نے جرم کا اقرار کیا۔ مجسٹریٹ نے فردِ جرم لگا دیا۔ بعد میں دوسری عورتوں کا مقدمہ پیش ہوا مجسٹریٹ صاحب نے ۴ بجے شام کے قریب حکم سُنا دیا۔ سب کو مجرم قرار دیا اور سزا دے دی۔ کستوربا کو چھ ماہ کی قید محض ہوئی اور اسے "اے" کلاس میں رکھا گیا۔

اس دفعہ گاندھی جی کو پہلے جیسی سہولتیں نہ ملیں۔ پہلے وہ قید میں ہوتے ہوئے بھی ہریجنوں کے متعلق کہا اور سُنا کرتے تھے اب کے اُن کو نہ تو کسی سے ملنے کی اجازت تھی۔ نہ ہی کسی سے خط و کتابت کر سکتے تھے۔ اب کرتے تو کیا کرتے۔ آخر بیکاری نے انھیں مجبور کیا کہ ان رکاوٹوں کو توڑنے کے لئے اُنھوں نے

۱۶ اراگست (بدھ وار) سے بھوک ہڑتال شروع کردی۔ حکومت کو پہلے سے اس بات کی اطلاع دے دی تھی کہ میرے مطالبات کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اسلئے مجھے بھوک ہڑتال کرنی پڑی۔

کستوربا ایک اور قیدی (عورت) کے ساتھ سابرمتی جیل سے نکال کر ۱۹ اراگست کو پونہ لے جائی گئی اُسے دوسرے درجے میں سوار کیا گیا۔ بعد ایک موٹر میں بٹھلا کر سٹیشن سے یروادہ جیل لے جایا گیا۔ گاندھی جی کے پاس کستوربا کوئی آدھا گھنٹہ ٹھہری ہو گی کیونکہ وہ دن گاندھی جی کی خاموشی کا دن تھا، اُسے زنانہ جیل میں لے گئے جو سامنے ہی ہے۔ ۲۱ اراگست کو کستوربا کو بلاشرط رہا کر دیا گیا۔ متھرا داس ترکم جی نے اس کا جیل کے دروازے پر استقبال کیا۔ گاندھی کو ہسپتال لے گئے اور کستوربا اس وجہ سے بڑی فکرمند تھی۔

جیل سے باہر نکلتے ہی اخباروں کے نمائندوں نے کستوربا کو آگھیرا پہلے تو کستوربا نے گاندھی جی کی صحت کے متعلق دریافت کیا اور پھر سیدھی ہسپتال میں گئی اور وہاں دو گھنٹے تک رہی اور بعد پرناکٹی واپس آئی، رات کو تو ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی اس لئے کستوربا ہر روز صبح و شام ان کے پاس چلی جاتی اور کچھ گھنٹے وہاں ہی رہتی تھی۔

۲۲ اراگست کو گاندھی جی کو بھی اطلاع موصول ہوئی کہ

حکومت نے انھیں رہا کر دیا ہے اور وہ بھی بلاشرط۔ تب اُنہوں نے بھوک ہڑتال بند کر دی۔ اینڈریوز صاحب اس وقت ہسپتال میں موجود تھے اور انھیں بھی رہائی کی خبر مل گئی۔ گاندھی جی نے پرناکٹی میں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ کستوربا کو اس بات کی خبر نہ تھی اور گاندھی جی کی موٹر اس کے پاس سے گذری جب وہ ہسپتال جا رہی تھی۔ خفیہ پولیس کے ایک افسر نے کستوربا کو پہچان لیا اور اس کی موٹر کو کھڑا کر دیا۔ اس وقت متھرا داس ترکم جی بھی اس کے ساتھ تھے کچھ فاصلہ پر موٹر ٹھہری اور وہ واپس لوٹی۔ اینڈریوز سے کچھ باتیں کر کے کستوربا گاندھی جی سے پہلے پرناکٹی جا پہنچی تاکہ ان کے لئے کچھ انتظام کرے۔ گاندھی جی کی موٹر جب پرناکٹی پہنچی تو کستوربا میرا بن ٹھیکرسے کی بیوی اور متھرا داس استقبال کے لئے موجود تھے۔ انہوں نے خوش آمدید کی۔ چنانچہ گاندھی جی کو چارپائی پر لٹا کر سنگ مرمر کی سیڑھیوں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں لے گئے جہاں وہ پہلے بھی رہ چکے تھے۔

جب گاندھی جی رہا ہوئے تب لوگوں کو پتہ چلا کہ کستوربا اُسی دن سے جب گاندھی جی نے بھوک ہڑتال شروع کی تھی تھوڑا سا کھانا کھا کر گذارہ کرتی رہی۔ کبھی کبھی تو صرف تھوڑا ایپل کا رس پی لیتی تھی۔ ۱۵ ستمبر تک کستوربا پرناکٹی میں ٹھہری رہی اور گاندھی جی کی تیمارداری کرتی رہی اور پھر ان کے ساتھ بمبئی آگئی اور ایک

ہفتہ وہاں رہی، ۲۳ ستمبر کو سب کے سب واردھا پہنچے۔ یہاں مکمل آرام کے لئے گاندھی جی دو ہفتہ ٹھہرے۔ اس کے بعد ہندوستان کا دورہ کرنے نکلے اور ہریجنوں کے سدھار کے لئے روپیہ جمع کرنے لگ گئے۔

۲ر اکتوبر کو کستوربا ناگپور میں ایک جلسے میں گئیں۔ اس کے صدر کھارے صاحب تھے اور اس دن گاندھی جی کا جنم دن تھا۔ ایک چاندی کے ڈبے میں کستوربا کو عورتوں کی طرف سے ایڈریس پیش کیا گیا۔ جس میں اس کی قومی خدمات جو اس نے گاندھی جی کی رفاقت میں کی تھیں، اظہار قدردانی کیا گیا۔ جواب میں کستوربا نے کہا کہ ہمیں غیر ملکی کپڑے کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے اور اپنے دیش کی بنی ہوئی اشیاء خرید کرنی چاہئیں۔ گاندھی جی کا یہ ہی کہنا ہے۔

گاندھی جی، ۷ نومبر ۱۹۳۳ء والے دن واردھا سے روانہ ہوئے ان کا ارادہ تھا کہ ہریجنوں کے سدھار کے لئے روپیہ جمع کریں اور چھوت چھات کے برخلاف آواز اٹھائیں۔ گاندھی جی کے ساتھ کستوربا سیٹھ جمنا لعل بجاج اور ٹھاکر صاحب اور دیش پانڈے جی بھی تھے۔ پہلے سی، پی کے چند گاؤں ملاحظہ کئے۔ بعض مقامات پر مخالفین نے جلسوں میں شورش کی مگر بہت سی جگہ جلسے کامیاب ہوئے۔ روپیہ خوب جمع ہوا اور بہت جگہ مندروں میں ہریجنوں کو آنے جانے کی اجازت بھی ملی۔

کستوربا اور منی بن (پٹیل صاحب کی صاحبزادی) اور پیرجی بھا ڈیسائی (گاندھی جی کے پرانے ساتھی) سب کے سب ۲۸ر نومبر ۱۹۳۳ء والے دن گرفتار کرلئے گئے، وہ احمد آباد سے رتس جارہے تھے۔ مگر جب ندیاد کے سٹیشن پر گاڑی پہنچی تو انھیں گرفتار کیاگیا۔ دو وردی والے پولیس افسر اور چھ بغیر وردی کے خفیہ پولیس کے آدمی گاڑی میں داخل ہوئے اور گرفتار کرنے کے بعد موٹر میں بٹھلا کر ملزموں کو آنندے لےگئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کیا۔ اور کہاکہ یہ کانگریس کے خیالوں کو پھیلانے رتس جارہے تھے۔ البتہ انہوں نے حکام کو پہلے سے اطلاع دے دی تھی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے حکم دیاکہ بمبئی احاطے کے خاص قانونی اختیارات کے ماتحت ملزم ایک ماہ تک ٹیکس کا نہ دینا اور قانون شکنی کرنا سول نافرمانی کرنا وغیرہ۔ بند رکھیں اور ضلع کیرا کی حد سے باہر ہوجائیں۔ چونکہ حکم کی تعمیل نہ کی گئی اس لئے پھر دوبارہ گرفتاریاں ہوئیں۔

دوسرے دن ہی کستوربا کی گرفتاری کے متعلق کلکتہ کی کارپوریشن میں معاملہ چھڑا۔ منی بن کو ۱۵ ماہ کی سخت قید کی سزا دی گئی مگر کستوربا کے برخلاف مقدمہ واپس لے لیاگیا اور حکم ہواکہ چونکہ گاندھی جی کی بھوک ہڑتال کے وقت اسی پیش از وقت رہا گیا تھا وہ عرصہ پھر قید میں رہی۔ اسی لئے کستوربا کو سابرمتی جیل میں لیجایا گیا اور ۲۶ امئی کو وقت پورا ہونے پر رہا کر دیا گیا۔

(۱۱)

ہریجن سدھار۔ ۱

جن دنوں کستوربا قید تھی، گاندھی جی ہریجنوں کے سدھار کے لئے دورہ کرکے روپیہ جمع کر رہے تھے۔ جب وہ قید سے رہا ہوکر آئی تو گاندھی کئی صوبوں میں جا چکے تھے، اور انہوں نے بہت سا روپیہ بھی جمع کر لیا تھا۔ دورہ کرنے سے سارے ملک میں ایک نئی روح پھونکی گئی اور ہر مقام پر بڑا استقبال ہوا۔ البتہ کچھ ایسے متعصب ہندو بھی تھے جو خود غرض لوگوں کے پنجے میں پھنس کر اس کام میں گاندھی جی کی مخالفت کرتے تھے۔ انہوں نے بڑے زور سے گاندھی جی کی مخالفت کی۔ انصاف کو ایک طرف رکھ کر اُن لوگوں نے دو دفعہ کوشش کی کہ گاندھی جی کا خاتمہ کر دیں۔ مگر وہ اپنے مقصد

۹۲۳۴۲ ۷۔۵۔۷۱

گ ک ب گزٹ رر سے

کستوربا گاندھی

کیا اور ایک جلسے میں تقریر بھی کی۔ جلسہ میں کچھ لڑائی جھگڑا ہو گیا۔ پنڈت لال ناتھ جو ایک معزز سناتن دھرمی تھے اُن کے چوٹ آئی، دوسرے دن گاندھی جی بیوا پہنچے اور موٹر کے ذریعے کراچی گئے اور وہاں ۷ جولائی کو پہنچے وہاں بھی چار دن تک بڑی دھوم دھام رہی۔ کراچی کی کارپوریشن نے ایڈریس پیش کیا اور وہاں کستوربا بھی موجود تھی ابھی گاندھی جی کراچی میں ہی تھے کہ انھوں نے واردھا واپس جانے پر ایک ہفتہ تک بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اجمیر میں پنڈت لال ناتھ کو جو چوٹ آئی تھی اس کا ازالہ بھی کرنا تھا۔ اخبار والوں کی کانفرنس میں جو ۱۱ جولائی کو ہوئی کسی نے پوچھا کہ اگر کستوربا آپ کی بھوک ہڑتال کا سُن کر گھبرائی تو۔ گاندھی جی نے جواب میں کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، وہ کبھی میرے راستے میں روکاٹ نہیں ڈال سکتی۔ اُسے دکھ تو ضرور ہوتا ہے مگر پھر بھی وہ بڑی بہادر عورت ہے۔ اور یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا کیونکہ وہ میری بیوی ہے۔ فی الواقع ایسا ہی ہے۔

۱۱ جولائی کی صبح گاندھی جی بمعہ کستوربا اور دیگر ساتھیوں کے کراچی سے لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن صبح ۹ بجے لاہور پہنچے۔ وہاں اُن کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا۔ لاہور میں پانچ دن تک لاجپت رائے بھون میں قیام رہا، بہت سے جلسے ہوئے اور گاندھی جی اور کستوربا نے تقاریر کیں اور ایڈریس ملے اور

ہریجنوں کے لئے روپیہ جمع کیا گیا اور ہریجنوں کی بستیاں ملاحظہ کی گئیں اور کانگریس کے کارکنوں سے ملاقاتیں ہوئیں جن میں سرحدی صوبہ کے کانگرسی بھی شامل تھے۔

۱۳ر جولائی کو کستوربا کے لئے ایک خاص جلسہ موری دروازہ کے باہر ہوا جس میں سارے صوبہ کی عورتیں موجود تھیں۔ مسز زتشی نے ایڈریس پڑھا جو ایک چاندی کے برتن میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ "مہاتما گاندھی کی جے" اور "ماتا کستوربا کی جے" کے نعرے بلند ہوئے اور ایڈریس کے جواب میں کستوربا نے یوں کہا:۔

"ہریجنوں کی حالت بڑی خراب ہے۔ وہ لوگ میلے اور اندھیرے گھروں میں بود و باش کرتے ہیں اور ان کے پاس کھانے اور پہننے کے لئے بہت کم ہے۔ اونچی ذاتوں کی عورتوں سے میں اپیل کرتی ہوں کہ ہریجنوں سے نفرت نہ کریں، بلکہ اُن اپنائیں، ان کی سیوا ایشور کی سیوا ہے۔ اونچ اور نیچ کا امتیاز دُور کرو۔ غریبوں، اور نیچوں کو اٹھانا بڑا ہی اچھا کام ہے اور ایسا کرنے سے انسان کو ایشور کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ پرماتما اُن کو پیار کرتا ہے جو اس کی غریب اور نچلے طبقہ کی مخلوق کو پیار کرتے ہیں۔"

کستوربا نے عورتوں سے یہ بھی کہا کہ تم کھدر پہنو۔ کہنے لگی کہ پنجاب کی عورتوں کو غیر ملکی کپڑا پہننے کا بڑا شوق ہے اور مجھے یہ

یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے۔ دوسرے صوبوں کا یہ حال نہیں، ایسے کپڑے پہننا ترک کر دو اور کھدر پہن کر گاؤں کے رہنے والوں کی مدد کرو۔ ہندوستان کی دولت کو باہر مت جانے دو۔ بدیشی اشیاء کا استعمال ہی ہماری غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کر رہا ہے اور عورتیں ہندوستان کو آزاد تب ہی کرا سکیں گی جب وہ کھدر کا استعمال کریں گی اور دیش کی بنی ہوئی چیزیں خریدیں گی۔ جلسہ ختم ہونے سے پیشتر ہریجن فنڈ کے لئے بہت سا روپیہ جمع ہوا۔

۱۶ ؍ تاریخ کی صبح ہی کستور با موٹر میں بیٹھ کر دیناگر کو روانہ ہو گئی وہاں اُسے رام بھج دت بھون کو کھولنے کی رسم ادا کرنی تھی راستے میں کوئی دو گھنٹہ گورداسپور میں ٹھہری اور دس بجے پہنچتے ہی آریہ سماج مندر میں ایک بڑا جلسہ ہوا، لوگوں کو کھدر پہننے اور سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کی، اور ہریجن سدھار پر بھی زور دیا اور کہا کہ ہریجنوں کے گھروں کو دیکھو اس لئے کہ تمہیں اُن کی ضروریات اور مشکلات کا پتہ چلے اگر تمہارا گاندھی جی سے پیار ہے تو اُن کے مشن سے بھی پیار ہونا لازمی ہے۔ جب کستور با نے روپیہ کے لئے اپیل کی تو سب طرف سے روپیہ کی بارش ہوئی۔

۱۷ ؍ جولائی کو سب کے سب دہلی کو روانہ ہو گئے اور وہاں سے ہوتے ہوئے ۱۹ ؍ تاریخ کو کلکتہ پہنچے۔ وہاں کچھ وقت ٹھہرے اور ۲۲ ؍ جولائی کو کانپور آئے اور وہاں پانچ دن تک قیام رہا

۲۷؍جولائی کو بنارس پہنچے جہاں چار دن تک جلسے ہوتے رہے اور ۳۱ جولائی کو وہ دورہ ختم ہوگیا۔ اسی دوران میں ہریجنوں کے سدھار کے لئے کوئی ۸ لاکھ قریب روپیہ جمع ہوا۔ سرب ہند ہریجن سیوا سنگھ اس کام کو جاری رکھ رہا ہے اور سب صوبوں میں سنگھ کی شاخیں موجود ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۲۷؍جولائی کو بنارس میں کانگرس کی کارکن کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا اور اس میں فرقہ وارانہ تقسیم کے سوال پر بات چیت ہو رہی تھی اور پنڈت مدن موہن مالویہ اور اینی صاحب کانگرس سے متفق الرائے نہ ہونے کی وجہ سے مستعفی ہو گئے تھے۔ بنارس سے گاندھی جی پٹنہ گئے اور وہاں ۲؍اگست کو پہنچے اور صرف دو دن ٹھہرے اور وہاں سے ۵؍اگست کو واردھا پہنچ گئے اور اعلان کے مطابق ۷؍اگست صبح کو بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ حسب معمول کستوربا کو بڑا فکر ہوا۔ چنانچہ وہ راتوں جاگتی رہی اور ایک وفا بیوی کی طرح گاندھی جی کی خدمت کرتی رہی اور جو لوگ وہاں موجود تھے ان کو برابر حوصلہ دیتی رہی۔ ۱۴؍اگست صبح چھ بج کر ۲ منٹ پر منٹ پر بھوک ہڑتال ختم کر دی گئی۔ آشرم میں بڑی سادہ سی رسم ادا کی گئی۔ لوگ تو تقریباً ۵½ بجے سے جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ گاندھی جی کے پسندیدہ بھجنوں اور پرارتھنا کے بعد کستوربا نے ایک گلاس میں شہد دیا جسے گاندھی جی آہستہ آہستہ چباتے رہے۔

ہریجن سدھار - ۲

کستوربا جو پنجاب کی اچھوت ادھار کانفرنس کی صدر منتخب ہوئی تھی امرتسر پہنچی اور ۲۱ مارچ ۱۹۳۶ء کی شام کو ایک بڑا شاندار جلوس شہر میں سے گذرا۔ امرت سر اور دیگر اضلاع کے ہریجن جلوس میں شریک تھے۔ آخیر پر دو موٹر تھے جن میں سے ایک میں کستوربا سوار تھی، بازار سج رہے تھے اور دونو طرف ناظرین صف بستہ کھڑے تھے۔ ہجوم زور سے تالیاں بجا رہا تھا۔

کستوربا اور دیگر بڑے بڑے لوگوں کو پھولوں کے ہار پہنائے گئے اور پھول نچھاور کئے گئے۔ جلوس جلیانوالہ باغ میں ختم ہوا اور ایک بڑے شامیانہ کے نیچے کانفرنس منعقد ہوئی شہر کے بڑے بڑے

آدمی موجود تھے گو سوامی گنیش دت جی نے کانفرنس کی افتتاحی رسم ادا کی۔ آپ پنجاب کی سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا کے سکریٹری تھے۔ لالہ روپ لعل جی نے جو استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے خوش آمدید کا ایڈریس پیش کیا۔ جب کستوربا اپنا خطبۂ صدارت سادہ ہندوستانی میں پڑھنے کے لئے اٹھیں تو خوب تالیاں بجیں۔ آواز کم ہونے کی وجہ سے مس جمنا لعل بجاج نے اُن کے خطبہ کو پڑھا۔

کستوربا نے دوران تقریر میں کہا:۔

"ہریجنوں کے سدھار کی تحریک ہماری زندگی کا ایک اہم جز بن چکی ہے۔ ہمارے دلوں پر گھر کر گئی ہے اور ہم بھلائی اور دھرم کے راستے پر اس کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے۔ خوش قسمتی سے پنجاب میں ہریجنوں کی ایسی بری حالت نہیں جیسی دوسرے صوبوں میں ہے، خاص کر کے جنوبی ہندوستان میں جہاں حالت ناگفتہ بہ ہے اس لعنت کو دور کرنے کی کوشش بہت ہوئی۔ سکھوں کے گوروں نے لوگوں کو آپس میں ملانے کی بڑی کوشش کی۔ سوامی رام تیرتھ نے سب سے پیار کا برتاؤ کرنے کی تلقین کی۔ گورو نانک صاحب نے تو اونچ نیچ کا امتیاز بالکل اڑا ہی دیا۔ آریہ سماج نے بھی اس کے متعلق بہت کچھ کیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ پنجاب میں اس مسئلہ کے متعلق کوئی الجھن نہیں۔ دوسرے

صوبوں میں البتہ ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پنجاب میں اچھوت پن نابود ہے۔ ہم نے اس مرض کو جڑ سے ہلا تو دیا ہے مگر ابھی اکھیڑ نہیں پھینکا، یہ کوئی معمولی سا گناہ تو نہیں۔ اس کو دھونا بڑی قربانی اور ایثار چاہتا ہے اور وہ قربانی بھی بے غرضانہ ہونی چاہیئے۔ گاندھی جی نے بہت دفعہ کہا ہے کہ یہ تحریک سیاسی نہیں بلکہ یہ تو بنی نوع انسان کے لئے ہے اور ہمارے گناہوں کی تلافی ہے۔ سچی اور بے غرضانہ خدمت ایک طرح ہمارے قدیمی دھرم کی خدمت ہے۔

مجھے تو اس بات کو سن کر بڑا دکھ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ہریجنوں کو اپنے دہرم میں شامل کرنا چاہتے ہیں، ایسا کرنا کیا کوئی دھرم کا کام ہے؟ سب دہرم سچائی کی عظمت پر زور دیتے ہیں۔ مذہب کی تبدیلی بے معنی ہے؟ ہمیں تو غریب اور کمزور کی خدمت کرنی ہے نہ کہ خود غرضی کے جذبہ کے ماتحت دوسروں کو پائمال کرنا ہے جو شخص دنیوی مفاد کو مدنظر رکھ کر اپنے مذہب کو تبدیل کرتا ہے وہ بھلا کب اطمینان قلب حاصل کر سکتا ہے۔ ہمیں دوسرے مذاہب سے کیا واسطہ۔ ہم نے تو اپنی اندرونی کمزوریوں کو دور کرنا ہے۔ اگر ہم اپنے روح کو پاکیزہ کر لیں تو اچھوت پن کی لعنت ہندوؤں میں سے بالکل دور ہو جائے۔ پھر بھلا کیوں کوئی اپنے دھرم کو چھوڑ کر دوسرا دھرم اختیار کریگا؟ ایسا کرنیوالا تو ہندو

مسلمان عیسائی اور سکھ میں کوئی امتیاز نہیں کریگا۔ ایسا کرنا تو وہی چھوت پن ہوا۔ اسی لئے میں کہتی ہوں کہ اگر چھوت پن جاتا رہا تو فرقہ وارانہ امتیاز بھی جلد جاتا رہیگا۔

ہریجنوں کے لئے پنجاب کی کوششیں بڑی تسلی بخش ہیں۔ ہریجن سیوا سنگ کے "پانی فنڈ" میں تقریباً ۵½ ہزار روپیہ جمع ہوا ہے یہ شریمتی رامیشری نہرو جی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہمیں ان کی نیک مثال اور ان کی سرگرمی اور خدمت سے سبق سیکھنا چاہئیے۔ کانگڑہ کے پہاڑی علاقہ میں پانی کی بڑی تکلیف ہے، یہ روپیہ ناکافی معلوم ہوتا ہے۔ جتنا آپ دیں وہ تھوڑا ہے۔ کنوئیں اور مندر ہریجنوں کے لئے کھول دینے چاہیں۔ مجھے سُن کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ پنجاب کی سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا اس کام کو کر رہی ہے

پنجاب جیسے صوبہ میں جہاں پانچ دریا بہہ رہے ہیں۔ بھلا ہریجنوں کو پانی نہ ملے! اور ہریجنوں کو مندروں میں جانے کی اجازت نہ ہو! بھلا اس سے زیادہ ادھرم کیا ہو سکتا ہے۔ اس بیہودہ پن کو ختم کرنا چاہئیے۔

ہریجنوں کے لئے مجھے کہنا ہے۔ جو ان میں سے شراب پیتے ہیں وہ اُسے پینا چھوڑ دیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہریجن جوا بھی کھیلتے ہیں۔ یہ بُری عادت بھی انھیں چھوڑ دینی چاہئیے انھیں انھیں صاف اور ستھرے رہنا چاہئیے نہ وہ شراب پئیں اور نہ

جو اکھیلیں، پرماتما کو یاد کریں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں
مجھے اپنی بہنوں اور لڑکیوں سے بھی کچھ کہنا ہے۔ عورتیں دوں
کی نسبت دھرم کی اصلاح زیادہ کر سکتی ہیں۔ ہریجنوں کے گھروں میں
میں جا کر عورتیں انھیں لکھا پڑھا سکتی ہیں۔ سینا پرونا سکھلا سکتی
ہیں اور کئی طرح سے ان کا سدھار کر سکتی ہیں
اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے کستوربا نے کہا:-
ایشور تمہارے دلوں میں وہ آگ روشن کرے کہ اچھوت پن اس
میں جل کر راکھ ہو جائے۔"
پنجاب کی عورتوں کو انہوں نے یہ پیغام دیا۔
"پانچ دریاؤں کی سرزمین کی عورتوں کو چاہیئے کہ وہ اچھوت
پن اور دیگر برائیوں کے دور کرنے میں سرگرمی سے کوشاں رہیں
ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں کی اس کام میں مدد
کریں۔"
امرتسر سے وار دھا کی طرف روانہ ہونے سے پہلے کستوربا نے
ہریجنوں کے ساتھ بیٹھ کر (جو پنجاب کے ہر صوبہ سے آئے تھے) کھانا کھایا
مئی مہینہ کے خاتمہ پر گاندھی جی صحت کی خاطر نندی پہاڑ پر
چلے گئے۔ کستوربا، رامیشوری نہرو اور مہادیو ڈیسائی ان کے ساتھ
گئے۔ واپسی پر وہ سب بنگلور ٹھہرے۔ ۱۳ جون کو مدراس پہنچے کیونکہ
سٹیشن پر ہجوم جمع تھا۔ بسین برج پر اتر گئے۔ وہاں بھی کانگریسیوں

کا ہجوم تھا۔ موٹر پر سوار ہو کر گاندھی جی اور ان کے ساتھی منبلم پہنچے اور ہنڈی پر چار کے لئے جو مکان تیار ہو رہا تھا اُسے دیکھا اور وہاں سے کلیاں ہوتے ہوئے ٹرپلی کین سے گذرتے ہوئے بیسن برج آگئے اور ریل پر سوار ہو کر واردھا کی طرف روانہ ہو گئے۔

اخباروں کے نمائندے سٹیشن پر موجود تھے اور گاندھی جی سے ملنا چاہتے تھے۔ مگر وہ نہ مل سکے۔ چلتے راج گوپال آچاریہ سے باتیں ہوتی رہیں۔ گاندھی جی پہلے کی نسبت اچھے تھے اور اخباروں کے نمائندوں سے کہنے لگے کہ میرا وقت نندی پہاڑ اور بنگلور میں بہت اچھی طرح گذرا۔

۲۲ر جنوری ۱۹۳۷ء سے گاندھی جی نے سیاسی کام چھوڑ دیا مگر بہت قلیل عرصہ کے لئے۔ کچھ سالوں تک سیواگرام آشرم میں ہی رہتے رہے اور ایک طرح سے وہی مرکز بنا رہا۔ جب کانگرس نے انتخابوں میں شرکت کی اور کامیاب ہوئی تو سات صوبوں میں کانگرسی وزارتیں قائم ہو گئیں۔ ان دنوں بڑے بڑے اہم مرحلے طے ہوئے اور ملک کی باگ دوڑ گاندھی جی کے ہاتھ میں آگئی۔ چنانچہ کستوربا اُن کی بڑی مدد کرتی رہی۔

(۱۴)

راج کوٹ میں ستیہ گرہ

۱۹۳۹ء کے شروع میں ہی کستوربا نے باوجودیکہ صحت بھی اچھی نہ تھی راجکوٹ کے ستیہ گرہ میں نمایاں حصہ لیا۔ پہلے تو سردار پٹیل اور دوسروں سے مشورہ کیا۔ پٹیل صاحب لکھتے ہیں کہ میری مرضی کے خلاف کستوربا نے راجکوٹ جانے کے لئے بڑا اصرار کیا اور مجبوراً مجھے ہاں کرنی پڑی۔ ایک دفعہ پہلے بھی جب میری لڑکی منی بن گرفتار ہوئی تھی تو کستوربا جانا چاہتی تھی مگر میرے کہنے سننے سے رک گئی مگر اب کے تو وہ بالکل نہیں مانتی تھی حالانکہ صحت بھی خراب تھی۔ کستوربا راج کوٹ کی رہنے والی ہے اور چونکہ وہاں حالات بڑے تشویشناک تھے اور حکام ریاست اور ایجنٹ صاحب ضد کر رہے

تھے اور رعایا ظلم کے مارے دبی جا رہی تھی، بھلا کستوربا کس طرح گھر بیٹھی رہتی اور صحت کا کس طرح خیال کرتی۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں جب سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر تھی تو وہ کئی دفعہ جیل ہو آئی تھی اس وقت اس نے سب مصائب برداشت کئے، اب تو عمر بھی زیادہ ہو گئی تھی مگر اس کا جوش کم نہ ہوا اور مجھے اُمید ہے اور میں دعا کرتا ہوں کہ راج کوٹ والی آزمائش میں بھی وہ کامیاب رہے گی۔

چنانچہ کستوربا بمعہ منی بن کے ۳ فروری کو شام ۳ بج کر ۴۰ منٹ پر راج کوٹ پہنچی، دونو کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا اور موٹر پر سوار کرا کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں لے گئے، گاؤں کا نام سنوسارا تھا۔ ریاست کے پولیس کمشنر اور ڈاکٹر صاحب نے چھ تاریخ کو ملاقات کی اور اُسی دن کستوربا اپنے لڑکے دیوداس سے ملی۔ دیوداس نے جب والدہ اور منی بن کو اس گاؤں میں نظر بند دیکھا تو اسے بڑا رنج ہوا۔ مکان بہت ہی تنگ تھا اور گاؤں بھی گندا تھا۔ پانی کی قلت تھی اور دور سے لانا پڑتا تھا۔ سبزی اور پھل تو ملتے ہی نہ تھے؛ کوئی ڈاکٹر وہاں نہ تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد منی بن کو دوسرے گاؤں میں لے جایا گیا اور اس وجہ سے اُس نے فوراً بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ ۲۸ فروری کو گاندھی جی کستوربا سے ملنے گئے اس وقت تپ میں تھی۔

گاندھی جی نے کہلا بھیجا کہ میں راج کوٹ میں ہی رہوں گا جب

تک کہ کام ختم نہ ہو۔

۳ر مارچ کو کستوربا کو ایک خط گاندھی جی کی طرف سے ملا جس میں یہ لکھا تھا۔

"مجھے اُمید ہے آپ وہاں اچھی طرح سے ہو۔ اگر دل نہیں لگتا تو یہاں چلی آؤ۔"

۴ر مارچ سے گاندھی جی نے بھوک ہڑتال کرنے کا اعلان کردیا گاندھی جی کے دوستوں نے حکامِ ریاست سے اجازت چاہی کہ وہ کستوربا سے ملاقات کرسکیں مگر اجازت نہ مل سکی۔ کیونکہ ٹھاکر صاحب سے مشورہ کرنا تھا پھر اجازت دے دی گئی اور ڈاکٹر سوشیلا نیز شریمتی وجے بن اور نرائن داس جی کستوربا سے ملنے گئے۔ یہ گاندھی جی کی بھوک ہڑتال کا پہلا دن تھا۔

گاندھی جی کے خط کے جواب میں کستوربا نے اُن کو لکھ بھیجا کہ آپ نے بھوک ہڑتال کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ کیا ہوتا۔ گاندھی جی نے جواب میں لکھا۔

"آپ یونہی فکر مند ہو۔ آپ کو معلوم ہے کہ ایشور نے مجھے اس کی مرضی پورا کرنے کا موقعہ دیا ہے۔ آپ سے یا کسی اور سے کس طرح مشورہ کرتا۔ مجھے تو خود معلوم نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ پرماتما کی طرف سے اشارہ ہوا اور مجھے حکم ماننا ہی پڑا۔ جب اس کی طرف سے آخری بلاوا آجائے تو کون انتظار کرسکتا ہے

اور پھر آپ سے اور کسی سے مشورہ کیا۔

البتہ کستوربا اس بھوک ہڑتال پر بڑی تشویش میں تھی۔ گاندھی جی نے ڈاکٹر سوشیلا سے زبانی کہہ بھیجا تھا کہ اگر کستوربا آنا چاہے تو آ سکتی ہے۔ کستوربا نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں نہیں آتی۔ ہاں مجھے روز کے روز خبر مل جانی چاہیئے کہ گاندھی جی کیسے ہیں پہلی آزمائشوں میں پرماتما نے اُن کو محفوظ رکھا۔ اب بھی وہ ہی اُنھیں محفوظ رکھے گا۔ مگر بار بار ایسے خطرے میں پڑنا بھی اچھا نہیں۔

گاندھی جی تک بھی یہ الفاظ پہنچ گئے اور کہنے لگے۔ ہاں ایسا بھی ہونا ممکن ہے۔ مگر یہ روحانی بھوک ہڑتال ہے۔ نتیجہ کو نہیں دیکھنا چاہیئے۔ مجھے تو اس پرماتما کی مرضی پر چلنا ہے۔ فرض کی ادائیگی میں اگر موت بھی آجائے تو آنے دو۔"

گاندھی جی ریاست کے حکام سے دریافت کر بھیجا کہ کستوربا نظر بند ہے یا قید۔ کچھ جواب نہ ملا۔ مگر ۵ مارچ تقریباً دوپہر کے وقت ریاست کی موٹر کستوربا کو راشٹر شالہ میں چھوڑ گئی۔ ممبر کونسل نے کستوربا کو کہا کہ ٹھاکر صاحب کی مرضی ہے کہ آپ گاندھی جی سے ملیں۔ جب ذرا بات اور کھلی تو معلوم ہوا کہ بھوک ہڑتال کے دنوں میں کستوربا نے گاندھی جی کے پاس ہی رہنا ہے۔

ظاہر ہی ہے کہ گاندھی جی کا کستوربا کے متعلق دریافت ہی باعث بنا کہ وہ اُن کے پاس آکر رہے۔ مگر کستوربا نے اس رعائت کو منظور

Harijan, May 27, 1939.

نہ کیا اور وہ واپس ترمبا چلی گئی۔ دوسرے دن اُسے اور منی بن کو بغیر کسی شرط کے چھوڑ دیا گیا۔ گاندھی جی کی بھوک ہڑتال بھی ۷ مارچ کو ختم ہو گئی۔

بہت سوچ بچار کے بعد گاندھی جی کی یہ رائے ہوئی کہ وائسرائے صاحب کی مداخلت پر بھوک ہڑتال چھوڑ دینا ایک طرح سے بڑا گناہ تھا۔ اس سے کستوربا اور گاندھی جی کی عمر رسیدہ ہمشیرہ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ کستوربا نے گاندھی جی سے کہا کہ آپ اپنی ہمشیرہ کی دلجوئی کیجئے۔ جو گفتگو اس بارے میں ہوئی مرحوم مہادیو ڈیسائی اُسے اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”گاندھی جی نے مسکراتے ہوئے کستوربا سے کہا کہ تم میرے حق میں کیوں نہیں ہو۔ کستوربا نے جواب میں کہا کہ میں کس طرح آپ کے حق میں کچھ کہوں۔ مجھے تو بات سمجھ نہیں آتی۔ گاندھی جی نے کہا کہ تمہیں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے، کیا تمہیں یاد ہے، جب تم جنوبی افریقہ میں قریب المرگ تھی اور ڈاکٹر نے آپ کو چوزہ کی یخنی پینے کے لئے کہا تھا؟ کستوربا نے جواب میں کہا کہ ہاں مجھے یاد ہے۔ پھر گاندھی جی نے کہا کہ تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ جو مرضی ہے کرو تو

تم نے کہا تھا کہ میں مرجاونگی مگر یخنی نہیں پیوں گی۔ تم نے یہ اِس لئے کہا تھا کیونکہ تمہارا وشواس ایشور پر تھا اور تمہیں معلوم تھا کہ ایشور اگر چاہے تو تمہیں بچا سکتا ہے مگر تم اپنا پرن توڑنے کے لئے طیار نہ تھی۔ تب گاندھی جی نے کہا کہ مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے تھا۔ یعنی مجھے بھی بھوک ہڑتال جاری رکھنی چاہیئے تھی جب تک کہ خود ٹھاکر صاحب اور دربار ویرا والا میرے پاس نہ آتے اور کہتے کہ مہربانی کرکے بھوک ہڑتال چھوڑ دو۔ مگر میں لڑکھڑا گیا۔ مجھے انگریزوں کی مدد لینی پڑی۔ کیونکہ میں مرنے سے ڈرتا تھا اور یہ گناہ ہے اور گناہ کرنے سے اگر کچھ ملا تو مجھے پھل کا تیاگ کرنا چاہیئے۔ مگر ٹھاکر صاحب اور دربار ویرا والا راستے میں روڑا اٹکاتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو معاملہ درست ہوجائے وہ ضد کرتے ہیں۔

وہ ایسا اس لئے کرتے ہیں کیونکہ مجھ سے شروع میں ہی غلطی ہوگئی۔ میں نے اُنھیں ناراض کردیا۔ بھلا وہ مجھ سے کیوں اچھا سلوک کرتے؟ دراصل وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے یہ رکاوٹ پرماتما کی طرف سے ہے۔ اب ایشور نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے سیدھا راستہ دکھلایا ہے۔ جتنی جلدی میں گناہ سے توبہ کروں اُتنا ہی اچھا ہوگا کیا تم ایسا خیال نہیں کرتی ہو؟"

کستوربا نے بھی بے خوف ہوکر کہہ دیا ہاں سچ ہے۔ مگر یہ جو سختیاں

ہورہی ہیں مثلاً نئے قانون جاری کئے جارہے ہیں اور جرمانے ہورہے ہیں۔ ان کا کیا علاج؟ ہماری طرف سے تو کچھ نہیں ہوتا مگر وہ بدستور ظلم کررہے ہیں۔

گاندھی جی کہنے لگے۔ تو کیا۔ انھیں کرنے دو۔ ہم نے اپنا فرض ادا کرنا ہے۔ تم کو تو یہ دیکھنا ہے کہ میں نے اپنا فرض ادا نہ کیا اور بھوک ہڑتال ختم کرنا تھا تو ہی تو ایشور نے مجھے سزا دی۔ البتہ مجھے شکست نہیں ہوئی۔ ہمشیرہ سے کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے گناہ کا اقرار کرلیتا ہے تو وہ سمجھو ہارا نہیں۔ اقرار کرنے میں ہی جیت ہوا کرتی ہے۔

کستوربا کی موت [redacted] کا درجہ رکھتی ہے

ستمبر ۱۹۳۹ء میں یورپ میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا اور ہندوستان کو بھی بغیر پوچھے اُس میں لپیٹ لیا گیا. تب سے ہی انڈین نیشنل کانگریس کو آزادی کے لئے بڑی جد و جہد کرنی پڑی یہ وہ زمانہ تھا جب اکثر صوبوں میں کانگریسی وزارتیں کام کر رہی تھیں جب حالات دگرگوں ہوئے تو کانگریس کی کارکن کمیٹی کو وزارتوں کو مستعفی ہونے کا مشورہ دینا پڑا ۔ فرانس کی شکست سے اور سنگاپور اور برما دشمنوں کے ہاتھ لگنے پر سارے ملک میں ہل چل مچ گئی گاندھی جی اس کے متعلق بہت کچھ لکھتے رہے اور کانگریس کی کارکن کمیٹی کے بہت سے جلسے جہاں گاندھی جی رہتے تھے وہاں ہوتے رہے۔

Stafford Cripps.

پر غور کیا اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ کر کے اس بات کا فیصلہ کیا اس وقت انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس نہ ہو سکا۔ اس کا انعقاد مشکل تھا۔
کستوربا اور گاندھی جی بمعہ چند اور ساتھیوں کے سیواگرام سے بمبئی روانہ ہو گئے اور وہاں اگست ۱۹۴۲ء کے پہلے ہفتے پہنچ گئے۔ کسی کو یہ خیال نہ تھا کہ کستوربا سیواگرام پھر نہ آسکے گی۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک اہم جلسہ ہوا اور ۸ اگست کی رات کو وہ مشہور رزدلیوشن پاس ہو گیا جسے "ہندوستان چھوڑ دو" کا نام دیا گیا تھا یہ بھی اعلان گیا کہ گاندھی جی سیواجی پارک میں اس رزدلیوشن پر مزید روشنی ڈالیں گے مگر علی الصبح ۹ اگست کو گاندھی جی کو گرفتار کر لیا گیا۔ کستوربا چپ نہ رہی۔ اس نے فوراً ہی کہا کہ میں جلسہ میں گاندھی جی کے بجائے تقریر کروں گی۔ جب حکام کو اس بات کی خبر ہوئی تو دو پولیس افسر برلا[1] ہوس میں تحقیقات کے لئے گئے جب کستوربا نے ان سے کہا کہ میں تو ضرور اس کام کو انجام دوں گی تب افسروں نے کہا کہ حکومت آپ کو بھی گرفتار کرے گی۔ چنانچہ اُسے گرفتار کر لیا گیا اور آغا خاں کے محل میں لے جایا گیا۔ وہاں گاندھی جی بھی نظر بند تھے۔ وہاں پہنچنے کے ایک ہفتہ کے اندر ہی ایک ایسا ہولناک واقعہ ہوا جس کا اثر گاندھی جی کے دل پر بڑا گہرا پڑا۔

[1] Birla House.

جو لوگ سیوا گرام میں آتے کستورا اُن کی دیکھ بھال کرتی رہتی تھی۔ گاندھی جی کمیٹی کے ممبروں کی تسلی نہ کر سکے۔ اس لئے انہوں نے سیاسی کاموں میں ہاتھ ڈالنا چھوڑ دیا وہ تو نہیں چاہتے تھے مگر کیا کرتے۔ ملک کی رہنمائی کا بوجھ سر سے اتار ڈالا۔ اس وقت حکومت کے ساتھ کانگرس کا سمجھوتہ ہو سکتا تھا۔ مگر معاملہ بگڑ گیا، اپریل ۱۹۴۲ء میں سٹیفرڈ کرپس[۵۱] صاحب ہندوستان تشریف لے آئے۔ ان کی تجویزیں ہندو سبھا اور مسلم لیگ کے پسند نہ آئیں۔ بھلا کانگرس کو کیسے پسند آتیں؟ حالات بدتر ہو گئے لوگوں نے سمجھا کہ حکومت اپنے اختیارات کو چھوڑنا نہیں چاہتی۔ اٹلانٹک چارٹر[۵۲] نے غلام ممالک کو کچھ اُمید دلائی مگر ہندوستان کو وہاں سے بھی مایوسی ہوئی۔ ہمارے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ وہ تو ایک ڈھونگ تھا۔ حکومت برطانیہ کا رویہ وہی رہا جو پہلے تھا سمجھوتا ہونے کی کوئی اُمید نہ تھی، گاندھی جی کو پھر بیچ میں کودنا پڑا۔ وہ چاہتے تھے کہ حکومت ان کی بات کو سنے مگر نقار خانے میں طوطی کی کون سُنتا ہے۔ جنگ عظیم نے ملک کو کمزور کر دیا تھا۔ لوگ بہت گھبرا گئے تھے۔ ایسے وقت میں کانگرس کی طرف سے گاندھی جی نے "ہندوستان چھوڑ دو"[۵۳] کی تحریک شروع کی۔ کانگرس کی کارکن کمیٹی نے ہر پہلو

Atlantic Charter, "Quit India

پہلے تو اُن کے سکریٹری مہادیو ڈیسائی جی کا انتقال ہو گیا۔ حسب معمول مہادیو ڈیسائی جی نے صبح ۸ ½ بجے ۱۵ اگست کو اپنے ناخن کاٹے اور بال وغیرہ درست کر کے اپنے کام کے لئے تیار ہوئے کچھ دیر سروجنی نیڈو اور دیگر حاضرین سے ہنسی مخول کی باتیں ہوتی رہیں۔ تھوڑے عرصہ بعد سر میں چکر آیا۔ ڈاکٹر بلایا مگر اس کے آنے سے پہلے ہی بیس منٹ کے اندر ہی وہ رحلت کر گئے۔ وہ کاغذات جن میں گاندھی جی سے ملاقاتیوں کی گفتگو کے نوٹ تھے ویسے کے ویسے ہی رہ گئے۔

گاندھی جی اور کستور باکو اس موت کا بڑا صدمہ ہوا۔ وہ دونو مہادیو ڈیسائی کو اپنا فرزند ہی سمجھتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۷ء سے ساتھ ہی رہنے کی وجہ سے گاندھی جی اُسے بڑا پیار کرتے تھے اور کستور با تو اُن کے لئے والدہ کے بجائے تھی۔ مہادیو ڈیسائی کے مرنے کے بعد وہ بڑی اداس رہتی کیونکہ وہ گاندھی جی کے مشکل سے مشکل مسائل کا حل بتلایا کرتے اور ہر دم ان کے ساتھ رہتے تھے۔ وائسراؤں اور دیگر سیاست دانوں کے ساتھ جو گفتگو ہوتی اُن کی حاضری میں ہوتی۔ جب گاندھی جی بھوک ہڑتال کرتے تب ڈیسائی جی ضرور اُن کے پاس ہی رہا کرتے تھے۔ کستور با کے لئے تو ہمیشہ اُن کی موجودگی حوصلہ افزا ہوا کرتی۔ اب کیا تھا وہ سہارا بھی جاتا رہا۔ کستور با اگرچہ گاندھی جی کے پاس ہی تھی مگر گر وہ خوش نہ تھی، ان کے گرفتار ہونے سے وہ بڑی گھبرا گئی۔ کیونکہ گاندھی جی نے اُسے یقین دلادیا تھا کہ اب کے وہ جلد گرفتار

نہ ہوں گے۔ اور وہ اُسے کہہ چکے تھے کہ حکومت کے ساتھ سمجھوتا کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی جائے گی۔ مگر حکومت ہند چونکہ جنگ میں فتح پر فتح پا رہی تھی، لاپرواہ سی ہو گئی اور مُلک میں امن قائم کرنیکی خواہشمند نہ تھی، بلکہ اُس نے اور بھی سختی شروع کر دی۔ ۹ اگست کو گرفتاریاں ہوئیں وہ کستوربا کے لئے نہایت ہی مایوس کُن تھیں۔

ابھی مہادیو ڈیسائی کی موت کا صدمہ تازہ ہی تھا کہ کستوربا کو معلوم ہوا کہ گاندھی جی فروری ۱۹۴۳ء سے پھر بھوک ہڑتال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ اُن کا پہلا موقعہ نہ تھا کئی بار پہلے بھی بھوک ہڑتال کر چکے تھے اور ہر موقعہ پر کستوربا اُن کے پاس رہتی مگر اِس وقت گاندھی جی کی عمر ۷۳ سال کی ہو چکی تھی اور ان کا ایسا کرنا ناقابلِ برداشت تھا ایسی باتوں کا اثر انسان کے جسم پر تو ہوتا ہی ہے۔ مگر کستوربا دل میں یہ سوچتی تھی کہ گاندھی جی جیسے شخص جنھیں لاکھوں آدمی ایک بڑی ہستی اور نجات دہندہ خیال کرتے ہیں۔ ان کی طرف حکومت کا یہ رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟

ایک دفعہ جب کستوربا سخت بیمار تھی تو پنڈت جواہر لعل نہرو کی کی ہمشیرہ (کرشنا ہتھی سنگھ) نے "بمبئی کرانکل" اخبار میں گاندھی جی کی ہڑتال بھوک ہڑتال کے متعلق ایک مضمون لکھا اور وہ یہ تھا۔

"جب گاندھی جی نے بھوک ہڑتال شروع کی تو کستوربا اُن کے پاس ہی رہا کرتی تھی وہ بڑی فکرمند رہتی کیونکہ وہ نہ

Bombay Chronicle.

جانتی تھی کہ نتیجہ کیا ہو۔ ان دنوں ایک دفعہ مجھے بھی گاندھی جی سے ملنے کا اتفاق ہوا کستوربا بالکل نحیف اور کمزور ہو گئی تھی۔ اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور چہرے سے رنج والم کے آثار نمایاں تھے۔ پھر بھی وہ خوش معلوم ہوتی تھی اور دردِ نہاں کو ظاہر نہ ہونے دیتی تھی۔ جو اُسے جانتے تھے انہیں معلوم تھا کہ اس کی اندرونی حالت کیا ہے۔ بھوک ہڑتال کے دنوں میں کستوربا گاندھی کو اکیلا نہ چھوڑتی تھی اور تیمارداری میں لگی رہتی تھی۔ آخر گاندھی جی بچ گئے اور ہندوستانیوں کے دم میں دم آیا، ۲۱ دن کی مصیبت اور فکر نے کستوربا کی ہڈیاں توڑ ڈالیں اور اس کے بعد وہ بیمار رہنے لگی۔ اب یہ بہادر عورت جو ساٹھ سال سے اوپر ہو گی بیمار ہو کر بستر پر پڑی ہے اور آغا خاں محل کے رہنے والے راتوں جاگتے رہتے ہیں۔ اگرچہ کستوربا سخت بیمار ہے مگر پھر بھی قید میں ہے۔ بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ ایسی کمزوری کی حالت میں بھی اتنی بڑی زبردست حکومت اُس سے ڈرتی ہے اور اُسے رہا نہیں کرتی۔ البتہ یہ اچھی بات ہے کہ کستوربا گاندھی جی کے پاس ہے اور وہ دن رات اس کی تیمارداری کرتے ہیں اور اپنی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ آخر چالیس برس اکٹھے گذارے ہیں اور دونو ملک کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ ایسی موت شہادت کا درجہ رکھتی ہے۔

خوشی لعل (پنجابی) لکھتے ہیں کہ جب گاندھی جی بھوک ہڑتال کر رہے تھے تو کستوربا اپنے قیدی ساتھیوں سے کہا کرتی تھی کہ گاندھی جی زندہ رہیں گے کیونکہ میں نے اُن سے پہلے مرنا ہے۔ سیوگرام میں آشرم والوں سے بھی جو اکثر گاندھی جی کو ملنے آتے تھے کستوربا نے کہا تھا کہ میں آغا خاں محل سے زندہ نہیں لوٹوں گی بلکہ اُس نے وصیت بھی کر دی تھی کہ میری فلاں چیز فلاں شخص کو دے دینا اور یہ خیال اس کا درست نکلا۔ وہ سچ مچ محل سے زندہ باہر نہ آئی مارچ ۱۹۴۳ء میں بمبئی کی گورنمنٹ نے گاندھی جی کی بھوک ہڑتال ختم ہو جانے پر ایک بیان شائع کیا جس میں یہ اعلان کیا کہ کستوربا کا دل اس ہفتہ بیٹھ گیا مگر بال بال بچ گئی۔ پھر ۴ دسمبر کو یہ بیان شائع کیا کہ ایک ہفتہ میں کستوربا کا دل دو دفعہ بیٹھا۔ بچ تو گئی مگر کمزوری کا عالم ہے۔ حکومت ہند نے اس کے کہنے کے مطابق اس کے لڑکوں اور پوتوں اور پوتیوں کو اس سے ملنے کی اجازت دے دی ہے۔

جب کستوربا کی حالت بدتر ہوتی گئی تو سب نے کہا کہ اُسے رہا کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ ۱۵ دسمبر کو لارڈ سٹرابولگی نے پارلیمنٹ کے ہوس آف لارڈز میں سوال کیا کہ کیا حکومت ہند کستوربا کو رہا کرے گی یا نہیں؟ تب ارل آف منسٹر نے جو اس وقت

House of Lords. Strabolgi

Earl of Munster.

وزیر ہند کے زیر دست کام کرتے تھے کہا کہ کستور با کا دل بیٹھا جاتا ہے اور نومبر کے آخر میں تو دو دفعہ سخت تکلیف ہوئی، بعد میں کمزوری بہت ہوگئی مگر اُن کی حالت تشویشناک نہیں ہے۔ حکومت ہند نے اس پر غور و خوض کیا ہے مگر اس کا خیال ہے کہ کستور با کا ایسی حالت میں وہاں سے منتقل کیا جانا ٹھیک نہ ہوگا اور دل کی بیماری کی جانچ پڑتال کرنے والے دو لائق ڈاکٹر وہاں ہر وقت موجود رہتے ہیں اور کستور با کا ہر وقت خیال رکھتے ہیں۔

لارڈ سٹرابولگی صاحب نے پوچھا، کیا جواب کا یہ مطلب ہے کہ کستور با کی صحت کی خاطر حکومت نے یہ سب کچھ کیا ہے اور اس میں عوام کے جذبات اور لوگوں کی بے چینی وغیرہ کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔

ارل منسٹر نے پھر جواب میں کہا کہ کستور با کی صحت کے متعلق جو سوال کیا گیا تھا اُس کا جواب دیا جا چکا ہے۔ میرا یہ مطلب تھا کہ صحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے موجودہ حالت میں کستور با کا وہیں رہنا خصوصاً دل کی بیماری کے لائق معالج بھی وہاں موجود ہوں زیادہ مناسب خیال کیا گیا ہے۔

دوسرے دن مسٹر سورنسن صاحب نے جو مزدور دل کے نمائندے تھے امیری صاحب وزیر ہند سے سوال کیا کہ کستور با کی صحت کے متعلق انھیں کیا معلوم ہے اور جب دوسری قیدی عورتوں کو صحت اچھی نہ

Sorensen. Amery.

نہ ہونے کی وجہ سے رہا کر دیا گیا ہے تو کیا اُسے رہا نہ کیا جائیگا؟

امیری صاحب نے جواب میں کہا

کستور با کا دل بہت کمزور ہے نومبر کے آخر میں دو دفعہ دل بیٹھ گیا پھر بھی ایک دفعہ دل کی تکلیف ہوئی۔ مگر اب وہ پہلے سے بہتر ہے۔ حکومت ہند نے اُسے رہا کرنے کے سوال پر غور کیا مگر وہ اس نتیجہ پر پہنچی کہ موجودہ حالات میں کستوربا کو جہاں وہ ہے وہیں رہنا چاہیئے ایک لائق ڈاکٹر بھی جو دل کی بیماری کو خوب سمجھتا ہے وہاں ہر وقت موجود رہتا ہے۔

سورن سن صاحب نے پھر دریافت کیا کہ آیا اس معاملہ میں خود کستوربا سے پوچھا گیا ہے کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ امیری صاحب نے جواب میں کہا کہ اس کی رہائی کا سوال اٹھایا گیا تھا۔ اسے لواحقین سے ملنے کی اجازت بھی ہے۔ مگر ڈاکٹروں کے مشورہ سے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ وہ وہیں رہے جہاں پر ہے۔

سورن سن صاحب نے کہا۔ جو کچھ کیا گیا وہ تو مناسب تھا۔ اگر اب ڈاکٹروں کا مشورہ ہو اور کستوربا خود بھی خواہش ظاہر کرے تو کیا حکومت اُسے رہا کرنے کے لئے طیار ہوگی؟

امیری صاحب نے جواب میں کہا کہ یہ حکومت ہند جانے۔

کستوربا کی حالت دن بدن بگڑتی ہی گئی۔ دسمبر کے آخر میں تو حالت بہت خراب ہوگئی۔" چنانچہ حکومت ہند نے ۲۹ دسمبر کو اعلان کیا کہ دل

کی بیماری بہت بڑھ گئی ہے اور عمر اور کمزوری کی وجہ سے حالت بڑی تشویشناک ہے۔

اس کے بعد حالت خراب ہوتی چلی گئی۔ گاندھی جی اور اُن کے دوستوں نے اوّل درجہ کے ڈاکٹروں کو بلوایا مگر کچھ نہ ہو سکا گاندھی جی کو بہت فکر ہوا۔ ان دنوں کستوربا نے جے پرکاش نرائن کی بیوی شریمتی پربھا دتی کو بلا بھیجا اور کہا کہ لاہور کے پنڈت شو شرما کو بلایا جائے حکومت ہند نے لیت و لعل کرنے کے بعد یہ درخواست مان لی۔

۲۰ فروری کو حکومت نے پھر اعلان کیا کہ کستوربا کی حالت بہت ہی خراب ہے گردے کچھ دنوں سے کام نہ کرتے تھے دل کمزور ہو گیا تھا اور ساتھ ہی نمونیا کے آثار شروع تھے۔ خون[1] کا دباؤ ۵۷ $\frac{1}{2}$ ڈگری ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر بھی گھبرا گئے اور مایوس ہو گئے۔ البتہ کستوربا نے حوصلہ نہ ہارا۔ دوسرے دن اس دُنیا سے رحلت کرنے کی تیاری کر لی۔ دوا پینی چھوڑ دی۔ بلکہ پانی تک نہ پیتی تھی۔ رات کے وقت گاندھی جی کو بلایا گیا، وہ بچارے اس کے سرہانے جاگتے رہے کستوربا نیم بے ہوشی کی حالت میں تھی۔ کبھی کبھی کچھ کہتی ورنہ سر ہلا دیتی ۲۲ فروری دوپہر کو گنگا جل منہ میں ڈالنے کو کہا۔ کچھ آرام ہوا اپنے سب سے چھوٹے بیٹے دیوداس کو بلا بھیجا۔ وہ ایک دن پہلے

---

[1] Blood Pressure.

وہاں پہنچا تھا۔ اس سے کہا کہ میں اب جا رہی ہوں اور آج شوراتری ہے۔ اچھا دن ہے کسی دن تو جانا ہی ہے آج کیوں نہ جاؤں؟
یہ کہہ کر اُٹھ بیٹھی اور ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئی اور کچھ دیر تک سر نیچے ڈال کر اونچی آواز سے پرارتھنا کرتی رہی اور کہنے لگی اے میرے ایشور تو ہی میرا سہارا ہے۔ مجھے بخشو اسی وقت ایک نئی دوا آغا خاں محل میں پہنچی۔ حکومت نے خاص طور پر منگوا بھیجی تھی۔ مگر دوا وقت پر نہ آئی۔ ڈاکٹروں نے دوا نہ دی۔ اُن کا خیال تھا کہ گردوں کو اس دوا سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ گاندھی جی کی بھی یہی رائے تھی کہ نہ دینی چاہیئے
پانچ بجے کے قریب دیوداس کی موجودگی میں کستوربا ذرا مسکرائی اور لڑکے کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس نے ڈاکٹروں سے انجکشن[1] دلوانے کا خیال کیا مگر ڈاکٹر اُمید چھوڑ چکے تھے۔ جب گاندھی جی کو پتہ لگا تو لڑکے سے کہا "اب تم والدہ کو بچا نہیں سکتے چاہے کیسی ہی دوا دو اگر تم نہ مانوگے تو خیر۔ مگر تمہارا خیال بالکل غلط ہے۔ تمہاری والدہ دو[2] دنوں سے نہ دوا پیتی ہے اور نہ پانی۔ اس کا اب پرماتما ہی مالک ہے۔ تم دخل دوگے تو بے سود ہوگا۔ میری رائے میں کچھ نہیں کرنا چاہیئے۔ چار چار گھنٹے بعد انجکشن سے اور تکلیف ہی ہوگی۔ تمہاری

---

[1] Penicillin.

والدہ تو اب مر رہی ہے۔ جب باپ بیٹے میں یہ باتیں ہو رہی تھیں تو گاندھی جی کو بلوایا گیا۔ انہوں نے کستوربا کو کندھے سے لگایا اور تسلی دینے کی کوشش کی۔ تب اُس نے گاندھی جی کو نمسکار کیا اور سورج ڈوبنے سے پہلے تقریباً سات بج کے ۳۵ منٹ پر شوراتری کی شام کو پران تیاگ دیئے۔ سب لوگ جمع ہوئے اور اس کا دل پسند گیت گایا اور سب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ رات بھر رام نام اور رگیتا کا پاٹھ ہوتا رہا۔ گاندھی جی بھی بیدار تھا اور بھجنوں میں شریک ہوئے اور اپنی پوتی کو جس کی والدہ گذر چکی تھی تسلی دیتے رہے۔ اُسے کستوربا نے پالا تھا۔ گاندھی جی پوتی کو کستوربا کے جنم اور زندگی کے متعلق اور اس کے کارنامے سناتے رہے اور اس طرح اس کے دل کو ٹھنڈا کیا۔

کستوربا کے مر جانے کے بعد بھی مرکزی حکومت اُس سے خوف کھاتی تھی۔ اس کی لاش کو اس کے بیٹوں اور پوتوں کے حوالہ نہ کرتی تھی اور جیل سے باہر نہ لے جانے دیتی تھی۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ لاش لڑکوں کے سپرد کرنی چاہیئے۔ دیوداس لاش کو جیل کے باہر لے جانا چاہتا تھا تاکہ پونہ یا بمبئی میں لے جا کر جلایا جائے۔ جب حکومت نہ مانی تو لڑکے نے اس بات کی اجازت چاہی کہ گاندھی جی اور رشتہ دار اور دوست جلانے کے وقت حاضر ہو سکیں۔ مقامی حکومت نے حکومت ہند کے ساتھ مشورہ

Injection.

کرکے دیوداس کی درخواست منظور کرلی، پونہ اور بمبئی کے دوستوں کو بھی اطلاع دی گئی۔ بدھ وار صبح کو ہی تقریباً ایک سو آدمی آغا خاں محل میں جمع ہوئے، اُن میں سری نواس شاستری۔ سر کلکار ہتھی سنگھ اور سان کی بیوی۔ پران لال دیوکرن ٹھیکرسے کی بیوی متھرا داس ترکم جی (گاندھی جی کے بھتیجے) لفٹننٹ کرنل بھنڈاری۔ لفٹننٹ کرنل شاہ۔ کرندی کار اور مہتہ صاحب جیسے شخص شامل تھے۔

گاندھی جی نے ایک کھدر کی چادر اپنے ہاتھ سے کتے ہوئے سوت کی بنوائی تھی اور وہ خاص طور پر کستوربا نے خود کہہ کر منگوائی تھی تاکہ مرنے کے بعد اوڑھے، وہ پہنائی گئی اور اس پر ایک نارنجی رنگ کی دوسری چادر اوڑھائی گئی اور سندھور پیشانی پر لگایا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کستوربا سو رہی ہو۔ ارتھی کو پھولوں سے سجایا گیا اور لاش آغا خاں محل کے احاطے میں جلائی گئی۔ یہ مقام جہاں مرحوم مہادیو ڈیسائی کو جلایا گیا تھا اس سے کوئی سو گز کے فاصلہ پر ہے ارتھی کو سب لواحقین اور لڑکوں نے اُٹھایا۔ وہی برہمن جو مہادیو ڈیسائی کے وقت ادائیگی رسوم کے لئے موجود تھا اسی نے یہ کام بھی کیا۔ البتہ رسم بالکل مختصر اور سادہ تھی۔

سوامی آنند۔ کنو گاندھی۔ شانتی کمار۔ مرارجی۔ کمل نرائن بجاج اور دیگر دوستوں نے آگ وغیرہ درست کی اور دیوداس گاندھی

نے آگ لگانے کی آخری رسم ادا کی۔ جب لاش کو چتا پر رکھا گیا تو گاندھی جی کے آنسو نکلے اور وہ اپنی شال سے آنسو پونچھنے لگے۔ ورنہ وہ روئے اور چلائے نہیں اور صبر سے کھڑے رہے اور حاضرین سے باتیں کرتے رہے۔

جب سب طیاری ہو چکی تو برہمن سے گاندھی جی نے اشارہ کیا کہ میں کچھ پرارتھنا کروں گا۔ تب قرآن انجیل اور بھگوت گیتا سے کچھ پڑھا گیا اور آشرم والوں نے بھجن بھی گائے۔

ڈاکٹر گلڈر نے زرتشتی متبرک کتابوں سے کچھ پڑھا اور میر ابن نے زبور سے کچھ تلاوت کی۔ پھر گاندھی جی نے برہمن سے کہا کہ اب آپ جو مرضی ہے کرو، چتا کے اوپر صندل اور گھی ڈالا گیا۔ دیو داس تین دفعہ چتا کے گرد گھوما اور گوبند گوبند کہتے ہوئے آگ لگائی۔

ہوا مشرق کی طرف سے چل رہی تھی نصف گھنٹہ میں جسم جل کر راکھ ہو گیا۔ گاندھی اور دوسرے سب لوگ ایک درخت کے نیچے بیٹھے رہے اور دیکھتے رہے۔ گاندھی جی ۴½ بجے تک وہاں ہی رہے اور ۵ بجے گھر لوٹے، پنڈت مدن موہن مالوی جی کے کہنے سے وہ مشت خاک ۲۸ فروری کو دریائے گنگا کے سپرد کر دی گئی مئی ۱۹۴۴ء کے پہلے ہفتہ گاندھی جی کو صحت خراب ہونے کی وجہ سے بمعہ اُن کے ساتھیوں کے رہا کر دیا گیا۔ وہ کچھ دن سیواگرام لوٹنے سے پہلے بمبئی اور پونہ میں رہے۔ ان کیلئے اکیلے کستوربا کے

بغیر آشرم میں آنا نہایت ہی مشکل کام تھا۔ دو اکتوبر کو اسی لاکھ روپے کی تھیلی کستوربا کی یادگار قائم کرنے کے لئے گاندھی جی کو پیش کی گئی۔

خط و کتابت

چند انکشافات

جب گاندھی جی آغا خاں محل میں نظر بند تھے اس وقت کستوربا کا چل بسنا ایک رقت بھرا واقعہ تھا۔

حکومت کے نمائندے زور زور سے کہہ رہے تھے کہ کستوربا جب بیمار تھی تو علاج میں کوئی کمی نہ رکھی گئی، ڈاکٹر بھی تھے اور گھر کے لوگ بھی موجود تھے۔ ایسا کہنے سے یہ مراد تھی کہ لوگوں میں بے چینی نہ پھیلے۔

گاندھی جی کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ اور پنڈت شو شرما (لاہور کے وید) کو وقت پر آنے کی اجازت نہ ملی اور آٹھ ہفتوں کے بعد جب اجازت دی بھی گئی تو وہ بھی بے دلی سے۔ اگر وقت

پر اجازت مل جاتی تو ممکن تھا کہ کستوربا کی حالت ایسی تشویش ناک نہ ہوتی۔ گاندھی جی یہ بھی کہتے ہیں کہ سچے ست گرہی ہونے کی حیثیت میں انہوں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ کستوربا کی رہائی کے لئے حکومت کو کہا جائے۔ البتہ اگر حکومت خود رہا کر دیتی تو اس کا اثر کستوربا کے دل پر اچھا ہوتا مگر بدقسمتی سے حکومت نے اس بات کا خیال نہ کیا۔ مفصلہ ذیل خط وکتابت معاملہ کو واضح کرتی ہے اور بہت سی باتوں کا انکشاف کرتی ہے۔

مہلک بیماری کے آثار

ڈاکٹر گلڈر اور سوشیلا نیر نے کرنل بھنڈاری کو ۱۲ مارچ ۱۹۴۳ء والے دن آغا خاں محل سے یہ خط لکھا۔

پیارے کرنل بھنڈاری صاحب۔

آج صبح جو آپ سے بات چیت ہوئی اس کے متعلق ہم یہ باتیں آپ کے گوش گذار کرنا چاہتے ہیں۔

کستوربا کو گلے کی بیماری[1] وغیرہ کی شکایت ہے۔ اُن کے دل میں بھی درد ہے اور دل کی دھڑکن ۸۰ فی منٹ کی رفتار سے ہے۔ آپ نے دیکھا ہی ہوگا کہ صبح کو مریضہ کی آنکھوں میں سوزش

---

[1] Bronchitis.

اور چہرہ میں سوجن آجاتی ہے۔ بیماری کا اثر اس کے دماغ پر ہو رہا ہے۔ اگرچہ گاندھی جی کی موجودگی سے کچھ افاقہ ہوجاتا ہے۔ ہماری رائے میں اگر ایک دایا ان کے پاس ہر وقت موجود رہے جو اس کی بولی سمجھتی ہو اور اُسے اچھی طرح جانتی ہو تو بڑا ہی اچھا ہوگا۔

گاندھی جی کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ انھیں خود ابھی ایک مہینے تک اپنی صحت کا خیال رکھنا ہے۔ اگر کنو کو اُن کے پاس رہنے دیا جائے تو بہت اچھا ہو۔ ایک تو کنو کو گاندھی جی کے ساتھ بڑا پیار ہے اور دوسرے وہ ان کی ضروریات کو خوب سمجھتا ہے۔ اگر حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہو تو وہ حاضر ہے اور جب تک حکومت چاہے وہ گاندھی جی کے پاس رہ سکتا ہے۔

(دستخط) ایم ڈی۔ ڈی گلڈر

اور سوسیلا نیر

گاندھی جی کا خط گورنمنٹ بمبئی کے نام

گاندھی جی نے سکریٹری بمبئی گورنمنٹ کے نام ۱۸ ارنومبر ۱۹۴۳ء کو ایک خط لکھا جس میں سے چند اقتباس ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھیوں کو میری وجہ سے اور میرے ساتھ رہنے سے مزید تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صرف ڈاکٹر سوشیلا نیر کو ہی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ اوروں کو بھی ہوتی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر

گلڈر صاحب کی بیار بیوی اور ان کی صاحبزادی اُن سے ملاقات نہیں کرسکتی منو کو اپنے والد اور اپنی بہنوں سے ملنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی کستوربا اپنے لڑکوں یا پوتوں اور پوتیوں سے مل سکتی ہے، البتہ یہ درست ہے کہ منو کے لئے باہر آنے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں! تو رام داس (گاندھی جی کے لڑکے کو بھی اپنی والدہ سے ملنے کی اجازت ہے مگر ہر ایک قیدی کو ملنے جلنے کا حق دیا گیا ہے۔ بھلا میرے لئے تو حکومت کی خاص ناراضگی کی وجہ سے اگر رکاوٹیں بھی ہوں تو دوسری بات ہے مگر اوروں پر ایسی بندشیں کیوں لگائی جاتیں ہیں؟ کیا حکومت کو اپنے افسروں پر اعتماد نہیں؟ مجھ میں نہیں آتا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب یا انسپکٹر جنرل صاحب کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ تاروں وغیرہ کو ہم تک پہنچائیں اور قیدیوں کی ملاقاتوں وغیرہ کا بندوبست کرسکیں آپ جلدی کوئی بندوبست کر دیں۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی کا خط حکومت ہند کے نام

گاندھی جی نے ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند (ہوم ڈیپارٹمنٹ) نیو دہلی کے نام ایک خط، ۲ر جنوری ۱۹۴۴ء کو لکھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

جناب عالی

کچھ دن ہوئے کستوربا نے انسپکٹر جنرل صاحب سے کہا اور کرنل شاہ سے بھی کہا کہ پونے کے ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کو اس کے علاج کے لئے بلایا جائے۔ مگر اس کے متعلق کچھ نہ ہوا۔ اب کستوربا اصرار کرتی ہے اور مجھے کہتی ہے کہ آپ حکومت ہند کو لکھیں۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ڈاکٹر مہتہ کو جلدی طلب کیا جائے۔ کستوربا نے اپنے لڑکے کو بھی اور مجھ سے بھی کہا ہے کہ کوئی آریہ ویدک ڈاکٹر بھی بلایا جائے۔ میرے خیال میں اب انسپکٹر جنرل صاحب کو اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ اس کا انتظام کر سکیں

ابھی تک میری اس درخواست کا کہ کنو کو جو ایک دن چھوڑ کر کستوربا کو دیکھنے آتا ہے ہر روز آنے کی اور اس کے پاس رہنے کی اور تیمار داری کرنے کی اجازت کا کوئی جواب نہیں آیا۔

مریضہ کی حالت اچھی نہیں اور رات کو تیمار داری کرنا بڑی مشکل ہے۔ کنو تو یہ کام اچھی طرح سے کر سکتا ہے۔ پہلے بھی اُسے یہ کام کیا

ہے۔ اور وہ تو گانا بجانا بھی خوب جانتا ہے اور بھجن گا کر کستوربا
کی طبیعت خوش کر سکتا ہے۔ آپ جلدی ہماری اس تکلیف کو رفع
کرنے کا انتظام کریں۔ اسے نہایت ضروری خیال کریں۔ سپرنٹنڈنٹ
صاحب کہتے ہیں کہ جب ملاقاتیں آئیں تو ایک دایا کافی ہے پہلے تو
ایک سے زیادہ دایاں موجود رہا کرتی تھیں اور سپرنٹنڈنٹ صاحب
موقعہ کے مطابق اجازت دے دیا کرتے تھے۔ پھر میں نے انسپکٹر
جنرل صاحب سے کہا۔ انہوں نے کہا کہ دایا کے علاوہ ایک ڈاکٹر
بھی پاس رہنا چاہیے۔ مریضہ کی حالت کا خیال نہ کرتے ہوئے ایسا
کیا گیا ہے۔ کستوربا کے پاس ایک دو آدمیوں کا ہونا کافی
نہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ حاضرین کی تعداد پر کوئی بندش نہ
لگائی جائے۔ مجھے یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ مریضہ کو جو سہولتیں دی
گئی ہیں وہ کوئی خاص مہربانی نہیں۔ مثلاً تیمارداروں پر بندش
خصوصاً جب ملاقاتی آتے جاتے ہوں۔ میرے تینوں بیٹے آج
کل پونے میں ہیں، کل ہیرالعل کو (جو ایک طرح ہم سے جدا ہے)
والدہ سے ملنے کی اجازت نہ دی گئی کیونکہ انسپکٹر جنرل صاحب
کے پاس اس کے متعلق کوئی اطلاع نہ تھی۔ کستوربا اس سے ملنا ضرور
چاہتی تھی۔

ایک اور مشکل ہے جب کبھی کوئی ملاقاتی آنا چاہتا ہے تو اسے
پہلے حکومت بمبئی کے دفتر میں درخواست کرنی ہوتی ہے اور وہاں

سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ اس میں ایک تو دیر ہو جاتی ہے۔ دوسرے دل شکنی بھی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب اور انسپکٹر جنرل صاحب خود کچھ نہیں کر سکتے۔ انہیں بمبئی کو لکھنا ہوتا ہے۔

مجھے یہ معلوم ہے کہ کستوربا حکومت کے ہاتھوں میں ہے اور مجھے اس کے خاوند ہونے کی حیثیت میں مداخلت کا کوئی حق نہیں مگر چونکہ حکومت نے خود اقرار کیا ہے کہ کستوربا کو اس کے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے میرے ساتھ ہی رہنے دیا جاتا ہے اور اس لئے رہا نہیں کیا جاتا تو مجھے اپنی بیوی کی خواہش کو حکومت کے کانوں تک پہنچانے میں کوئی ہرج معلوم نہیں ہوتا۔

ایسی تشویشناک حالت میں حکومت کو میری بات سننی چاہیے۔ اگر حکومت میرا کہنا نہ مانے تو کستوربا کے دل پر اثر ہوتا ہے۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

بمبئی کی حکومت کے نام خط

۲۷ر جنوری ۱۹۴۴ء

بخدمت سکرٹری صاحب حکومت بمبئی (ہوم ڈیپارٹمنٹ)

جنابعالی

آپکی خدمت میں حکومت ہند کے نام جو خط گیا اس کی نقل ارسال ہے، اگر حکومت بمبئی کچھ کر سکتی ہو تو اس خط کو حکومت ہند

کو نہ بھیجا جائے، چونکہ معاملہ بہت ہی اہم ہے اور تکلیف فوراً رفع ہونا چاہئے اس لئے مرکزی حکومت سے ٹیلیفون پر بات چیت کی جا سکتی ہے۔

(دستخط ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی کی طرف سے یاد دہانی

قیدیوں کی کیمپ۔ ۲۱ جنوری ۱۹۴۴ء

"۲۷ جنوری کو حکومت ہند کی خدمت کی میں ایک ضروری خط روانہ کیا گیا۔ مگر ابھی تک جواب نہیں ملا۔ مریضہ کی حالت اچھی نہیں۔ تیمار دار تھک گئے ہیں۔ صرف چار شخصوں کو اجازت ہے دو ایک رات اور دو دوسری رات، مریضہ بہت گھبراتی ہے اور کہتی ہے کہ ڈاکٹر ڈنشا کب آوے گا۔ جلدی جواب دیں اگر ممکن ہو تو کل ہی جواب لکھ دیں

(۱) کیا کنو کو سارا وقت پاس رہنے کی اجازت ہے؟

(۲) کیا ڈاکٹر ڈنشا صاحب آ رہے ہیں؟

(۳) جب ملاقاتی آویں تو کیا تیمار داروں کی تعداد زیادہ نہیں ہو سکتی؟ آخر یہ نہ کہنا پڑے کہ علاج بر وقت نہ ہو سکا۔

(دستخط ایم۔ کے گاندھی)

حکومت کی طرف سے خط جو کیمپ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ۳۱ جنوری شام کو ۴ بجے دیا

حکومت جاننا چاہتی ہے کہ کیا کستوربا کسی خاص ڈاکٹر کو بلانا چاہتی ہے اور وہ بھی ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کے علاوہ؟

گاندھی جی نے مختصر سا جواب لکھا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کو دیدیا۔ وہ دن (سوموار) گاندھی جی کی خاموشی کا دن تھا۔ جواب یہ تھا۔

کستوربا کسی خاص ڈاکٹر کو نہیں بلانا چاہتی۔ میرے لڑکے دیوداس نے شرما جی (لاہور) کا نام لیا تھا۔ کوئی بھی ہو وہ ڈنشا جی کے علاوہ ہی ہوگا۔ اور وہ بھی تب ہی جب مسٹر الذکر کچھ نہ کر سکے گا۔ کستوربا نے اکثر خواہش ظاہر کی ہے کہ آریہ ویدک ڈاکٹر کو طلب کیا جائے۔ اگر اجازت ملجائے تو وہ خصوصی نہ ہونی چاہیئے۔ کستوربا دل چھوڑ رہی ہے اور مجھے ہر پہلو سے معاملہ کو دیکھنا ہے۔ اس کے دل کی تشفی ہونی اس حالت میں بڑی ضروری ہے

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

Blood Pressure.

کستوربا آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی

قیدیوں کا کیمپ
۳۱ رجنوری ۱۹۴۴ئہ
پیارے کرنل صاحب

آپ کو معلوم ہی ہے کہ کستوربا دن بدن کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔ کل رات بالکل نہ سوئی اور صبح تو ختم ہونے لگی تھی۔ لمبے سانس لینے لگی، نبض بھی آہستہ آہستہ چلتی تھی ایک منٹ میں سو کی رفتار سے اور رنگ بھی بدل رہا تھا۔ بیس منٹ کے بعد ہوش میں آئی۔ اب بارہ بجے ہیں اور وہ بڑا گھبراتی ہے چھاتی میں درد کی شکایت کرتی ہے اور پیٹھ میں بھی درد ہے۔

اگر ڈاکٹر جوراج مہتہ جی کو جو سنٹرل جیل میں ہیں اور ڈاکٹر بی سی رائے کو کلکتے سے طلب کر لیا جائے تو اچھا ہو۔ ان ڈاکٹروں نے پہلے بھی کستوربا کا علاج کیا تھا اور اُسے اُن پر اعتبار بھی ہے۔ ہمیں یہ بتا دینا چاہیئے کہ مریضہ کی حالت خراب ہے اور اگر ان ڈاکٹروں کے بلانے میں دیر نہ کی جائے تو اچھا ہوگا۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چونکہ مریضہ کو دن رات دیکھنا ہوتا ہے۔ ایک دایا کافی نہیں اور کستوربا چاہتی ہے کہ کنو اور ڈاکٹر ڈنشا مہتہ بھی اُسکے پاس ہوں

دستخط ایس نیر
ایم ڈی ڈی گلڈر

نوٹ :-
گاندھی جی کے خون کا دباؤ آج صبح ۲۰۶، ۱۱۰ تھا۔

زندگی اور موت کے درمیان

سکریٹری صاحب حکومت بمبئی کے نام خط۔
قیدیوں کا کیمپ - ۳ر فروری ۱۹۴۴ء
جنابعالی
کستوربا نے مجھ سے دریافت کیا کہ ڈاکٹر ڈنشا کب آ رہے ہیں اور ویدجی کب آئیں گے اور دوائی دیں گے۔ میں نے اُسے کہا کہ کوشش تو کر رہا ہوں کہ دونوں آ جائیں مگر آخر ہم قید میں ہیں اور من مانی بات نہیں کر سکتے۔
کستوربا مجھ سے بار بار یہی کہتی ہے کہ جلدی کرو۔ کل رات بھی بے آرام رہی۔ یہ بات اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ڈاکٹر ڈنشا صاحب اور وید شرما جی لاہور والوں کو آنے کی اجازت دیں۔ ویدجی کو تو آنے میں وقت لگے گا مگر ڈاکٹر ڈنشا تو آج ہی آ سکتے ہیں۔ بھلا یہ دیر کیوں ہو رہی ہے؟ مریضہ تو موت کے کنارے کھڑی ہے۔ اگر وقت پر

علاج ہوگیا تو شاید بچ جائے۔ مریضہ کا علاج حکومت کے اہم کے اہم معاملات کے مقابلہ پر زیادہ ضروری ہے۔

دستخط (ایم ۔کے گاندھی)

حکومت کی طرف سے رعایتیں

نمبر ایس۔ڈی ۶ - ۲۰۲۵ (ہوم ڈیپارٹمنٹ) بمبئی

۳ر فروری ۱۹۴۴ء

از طرف سکریٹری صاحب حکومت بمبئی (ہوم ڈیپارٹمنٹ)

جناب ایم کے گاندھی صاحب

"آپ کے ۳۱ر جنوری کے خط کے جواب میں تین سوالوں کے متعلق عرض ہے۔

(۱) حکومت کو منظور ہے کہ کنو کستوربا کے پاس اس کی تیمارداری کے لئے رہے۔ شرط یہ ہے کہ اُسے دوسرے قیدیوں کی طرح کیمپ میں ہی رہنا ہوگا۔ اس کے علاوہ حکومت اور کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتی اتنا ہی کافی ہوگا۔

(۲) حکومت کا فیصلہ ہے کہ باہر سے کوئی ڈاکٹر طلب نہ کیا جائے۔ حکومت کا ڈاکٹر البتہ اگر کہے کہ کسی اور ڈاکٹر کی ضرورت ہے تو دوسری بات ہے۔ ڈاکٹر ڈنشا صاحب کا طلب کرنا بشرطِ ضرورت حکومت کے ڈاکٹر کے اختیار میں ہے۔

(۳) کستوربا نزدیکی رشتہ داروں سے مل سکتی ہے۔ آپ بھی ایسی ملاقاتوں کے وقت حاضر رہ سکتے ہیں۔ دوسروں کے لئے وہاں رہنا مناسب نہیں تاوقتیکہ کستوربا کی حالت زیادہ خراب نہ ہو یہ تو ظاہر ہی ہے کہ انسپکٹر جنرل (جیل) صاحب نے صرف ایک شخص کے لئے ملاقات کے وقت حاضر رہنے کا حکم دیا ہے اور اگر ضروری ہو تو ڈاکٹر صاحب بھی آ سکتے ہیں۔ فی الحال حکومت کا خیال ہے کہ یہ کافی ہوگا۔ البتہ انسپکٹر جنرل صاحب مریضہ کی حالت کے لحاظ سے جو چاہیں کر سکتے ہیں۔

(دستخط) ایچ آ ابنگر سکریٹری حکومت بمبئی

خط از طرف گاندھی جی

سند یافتہ ڈاکٹروں کے علاوہ

کسی دوسرے ڈاکٹر کو بلانے کی ذمہ داری

"فوری"

قیدیوں کا کیمپ ۱۱ فروری ۱۹۴۴ء

سند یافتہ ڈاکٹر کے علاوہ کسی اور ڈاکٹر کا طلب کرنا میری ذمہ داری پر ہوگا۔ اگر اس کا علاج کرتے کرتے کوئی ایسی ویسی بات ہوجائے گی تو حکومت بری الذمہ ہوگی۔ میں کسی وید یا حکیم کے مشورہ کو بغیر

سوچے سمجھے عمل میں نہیں لاؤں گا۔ اگر علاج شروع کیا اور کچھ فائدہ نہ ہوا تو ڈاکٹری علاج کی طرف رجوع ہوں گا۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی لیت ولعل کرنے کے شاکی ہیں

خط انسپکٹر جنرل (جیل) صاحب کے نام۔

قیدیوں کا کمپ ۱۴ار فروری ۱۹۴۴ء

جناب عالی

میں نے کل آپ سے کہا تھا کہ کستوربا کی حالت رات بھر خراب رہی۔ ڈاکٹر نیر صاحبہ تو ڈر گئیں اور انہوں نے ڈاکٹر گلڈر کو جگایا مجھے بھی ایسا معلوم ہوا کہ کستوربا چل دے گی۔ ڈاکٹر بھلا کیا کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر نیر نے سپر نٹنڈنٹ جیل کو جگایا اور انہوں نے ویدراج کو ٹیلیفون کیا۔ ایک بجے رات کا وقت تھا اگر ویدراج وہاں ہوتے تو کچھ کرتے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ حکومت کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ البتہ آپ نے کہا تھا کہ ویدراج رات کو طلب کیا جا سکتا ہے میں نے یہ بھی جتلا دیا تھا کہ اس میں بڑا خطرہ ہے مگر آپ نے کہا کہ جب اجازت نہ ہو تو کیا ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ دلیل پیش کی تھی کہ جب ویدراج کو اس شرط پر بلایا گیا کہ اگر ان کے علاج سے کچھ ہرج مرج ہو تو اس کی ذمہ داری میرے سر پر ہو گی۔ تو

حکومت کو کیا ؟ دید راج چاہے جتنی دیر ٹھہرے ہم نے تو مریضہ کی حالت کا خیال کرنا تھا۔ آپ نے میری بات نہ مانی۔ میں نے دیدراج سے کہا کہ آپ اپنی موٹر میں رات آرام کیجئے اور کیمپ کے باہر ٹھہریئے۔ جب ضرورت ہوگی آپ کو بلا لیا جائے گا۔ دید راج جی مان گئے۔ رات جب ان کو بلایا تو انہوں نے دوا دی اور آرام ہوگیا۔ ابھی خطرہ تو ہے۔ اب میری دوبارہ درخواست ہے کہ آپ اجازت دے دیں تاکہ کل کی رات کی طرح نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ مریضہ کے متعلق اس قسم کی رکاوٹیں اٹھالی جاویں۔ ڈاکٹر مہتہ اور دیدراج کو آنے میں دیر لگ جاتی ہے۔ قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے، اور مریضہ کے اچھے ہونے میں توقف ہوتا ہے۔

اُمید ہے آپ دیدراج صاحب کو کیمپ میں رہنے کی اجازت دلا دیں گے تاکہ رات کے وقت اگر مریضہ کی حالت اچھی نہ ہو تو وہ پاس موجود ہوں، مریضہ کو اس کی بیحد ضرورت ہے

دستخط (ایم۔ کے۔ گاندھی)

انسپکٹر جنرل (جیل) کے نام خط

آخری اپیل

قیدیوں کا کیمپ - ۶ ار فروری ۱۹۴۳ء

نوٹ :- یہ خط ۴ ار فروری والے خط کے ساتھ مسلسل ہے۔

جب میں نے ویدراج کے متعلق اجازت مانگی اور اُن کے توسط سے علاج کے بدل دینے کی ذمہ داری اپنے سر پر لی اور حکومت کو بری الذمہ ٹھہرایا تو میں نے خیال کیا کہ حکومت ویدراج کو سب قسم کی سہولتیں دے گی تاکہ وہ علاج بخوبی کر سکیں۔ دن کی نسبت رات کو مریضہ کو بڑی بے چینی رہتی ہے اور رات کو ہی تیمارداروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ویدراج کو موجودہ حالات میں علاج کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔

چونکہ وہ کیمپ کے باہر دروازہ پر موٹر میں ہی سوتے ہیں اور اب تین راتوں سے برابر وہاں ہی سو رہے ہیں، ہر رات کو ان کو بلانا پڑتا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ انھیں بےحد تکلیف ہوتی ہے اور وہ مریضہ کی خاطر سب کچھ برداشت کرتے ہیں، مگر میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو۔

بلکہ سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ان کے ملازموں کو بھی جگانا

ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ بھی جاگ اُٹھتے ہیں۔ کبھی کبھی دو دفعہ جگانا پڑ جاتا ہے۔

مثلاً کل رات کستوربا کو زور کا بخار آیا۔ ویدراج ۱۰½ بجے کیمپ کے باہر گئے، اور ۱۲ بجے پھر بلانا پڑا۔ مجھے اُن سے کہنا پڑا کہ آپ جلدی چلے جائیں کیونکہ وہ تو ٹھہرنا چاہتے تھے۔ مگر سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ان کے ملازم اُن کا انتظار کرتے رہتے اور جاگتے رہتے شاید صبح تک جاگنا پڑتا۔ بھلا میں ایسا کیوں کرتا؟ ادھر میری بیوی کی جان بچانے کا سوال تھا۔ دوسرا طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے۔

ویدراج کا خیال ہے کہ مریضہ کے پاس انھیں ساری رات ٹھہرنا چاہئیے، دوا بدلنی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر نیر صاحبہ اور ڈاکٹر گلڈر تو ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ وہ میرے دوست ہیں اور مریضہ کے لئے سب کچھ کرتے ہیں، مگر جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں، جب علاج ہی دوسرا ہو تو وہ کیا کریں جو کچھ اب ہو رہا ہے وہ تو ویدراج اور مریضہ اور ڈاکٹروں کے ساتھ بے انصافی کرنا ہے اس لئے میں تین تجویزیں پیش کرتا ہوں جن میں سے کسی ایک پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ویدراج کو کیمپ کے اندر دن اور رات کو بھی رہنے کی اجازت ہو اور وہ جب تک مناسب خیال کریں کیمپ کے اندر رہیں اور مریضہ کی حالت کو دیکھتے رہیں۔

(۲) اگر حکومت ایسا نہیں کر سکتی تو مریضہ کو کچھ عرصہ کے لئے علاج کی خاطر رہا کر دیا جائے تاکہ وہ ویدراج کے علاج سے پورا فائدہ اٹھا سکے۔

(۳) اگر مذکورہ بالا دونو تجویزیں حکومت کو منظور نہ ہوں تو مجھے مریضہ کی دیکھ بھال کرنے سے سبک دوش کیا جاوے۔ اگر مجھے خاوند ہونے کی حیثیت میں اتنا بھی حق حاصل نہیں کہ اپنی بیوی کا خاطر خواہ معالجہ کرا سکوں تو مجھے کسی اور جگہ تبدیل کیا جاوے۔ میں جہاں مجھے حکومت بھیجنا چاہتی ہے جانے کے لئے تیار ہوں۔ میں مریضہ کے دکھ کو برداشت کرنے کے ناقابل ہوں۔

حکومت نے ڈاکٹر مہتہ کو مریضہ کے کہنے پر علاج کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ وہ دوائی نہیں دیتے۔ ان کا علاج مالش وغیرہ پر مشتمل ہے وہ بھی مفید ہے۔ کستوربا کو دوائی کی ضرورت ہے۔ دوائی تو یا ڈاکٹر دے سکتا ہے یا ویدراج۔ ڈاکٹری علاج تو بند ہے۔

اگر شام تک اس خط کا تسلی بخش جواب نہ آیا تو مجھے ویدراج کا علاج بھی مجبوراً بند کرنا پڑے گا۔ اگر پورا علاج نہیں کیا جا سکتا تو اس سے بہتر ہے کہ علاج بالکل بند ہی کر دیا جائے۔

یہ خط مریضہ کے سرہانے بیٹھے رات کو دو بجے لکھ رہا ہوں

کستوربا جی ہماری زندگی اور موت کے درمیان لٹک رہی ہے
اُسے اِس خط کی کچھ خبر نہیں اور اُسے اب ہوش بھی نہیں ہے
دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

خطرہ جس سے بچاؤ ہو سکتا تھا

بخدمت جناب انسپکٹر جنرل (جیل) صاحب
پونہ ۱۸۔ فروری سنہ ۱۹۴۴ء

"جنابعالی۔ ویدراج شو شرما جی بڑے افسوس سے مجھے اطلاع دیتے ہیں کہ باوجود انتہائی کوشش کرنے کے انھیں کستوربا کو شفا دینے کی کوئی امید معلوم نہیں ہوتی۔ آخر یہ آزمانا تھا کہ آیورویدک علاج کچھ نتیجہ خیز ہوگا۔ مگر نہ ہوا۔ اس لئے میں نے ڈاکٹر گلڈر اور ڈاکٹر نیر سے کہہ دیا ہے کہ وہ علاج شروع کریں۔ ڈاکٹر مہتہ صاحب نے بھی علاج بند نہیں کیا، وہ بھی اپنا علاج جاری رکھیں گے میں کہنا چاہتا ہوں کہ ویدراج جی نے بڑی تن دہی اور توجہ سے مرض کا علاج کیا اور اگر وہ علاج جاری رکھتے تو میں معترض نہ ہوتا۔ مگر جب ان کا آخری نسخہ کامیاب نہ ہوا تو انہوں نے علاج نہ کرنا چاہا۔ ڈاکٹر گلڈر اور ڈاکٹر نیر دونو کا خیال ہے کہ ویدراج کو بھی علاج کرنے دے تو کوئی ہرج واقعہ نہ

ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تو ویدراج جی کو رات کو آنے کی ضرورت
نہ ہوگی۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر میری درخواست ویدراج
جی کے متعلق بر وقت منظور کر لی جاتی تو مریضہ کی یہ حالت نہ ہوتی
جواب ہے۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ ایشور کی مرضی کے بغیر کچھ
نہیں ہو سکتا مگر انسان کو نتیجہ سے ہی اس کی مرضی کا اندازہ
لگ سکتا ہے۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

گاندھی جی کی طرف سے جلانے کے متعلق ہدایات

انسپکٹر جنرل (جیل) صاحب کو ۲۲ فروری ۱۹۴۴ء شام ۸ بجے
کے قریب مفصلہ ذیل جواب گاندھی جی نے لکھوایا۔ حکومت نے
انسپکٹر جنرل صاحب سے دریافت کیا تھا کہ کستوربا کے جلانے
کے متعلق گاندھی جی کیا چاہتے ہیں؟

جواب :-

۱۔ لاش میرے لڑکوں اور رشتہ داروں کو دی جائے
اور حکومت جلانے وغیرہ کی رسم میں کوئی مداخلت نہ کرے
سب کو آنے کی اجازت ہو

۲۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو جس طرح مہادیو ڈیسائی کے مرنے

پر ہوا تھا، ویسا ہو یعنی اگر حکومت صرف رشتہ داروں کو حاضر ہونے کی اجازت دے۔ تو ساتھ ہی دوستوں کو بھی اجازت ہو۔ کیونکہ میرے لئے دونو ایک جیسے ہیں۔

۳۔ اگر حکومت کو یہ بات بھی منظور نہ ہو تو جو لوگ کستوربا کے پاس ہوا کرتے تھے وہ روانہ کر دئے جائیں گے اور جو لوگ کیمپ میں ہیں صرف وہ ہی جلانے کی رسم کے وقت موجود ہوں۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ میں اپنی بیوی کی سخت علالت کے معاملہ کو سیاسی رنگ نہیں دینا چاہتا۔ مگر میری خواہش یہ ہی رہی ہے کہ جو کچھ حکومت کرے وہ خوش اسلوبی سے کرے۔ افسوس ہے کہ میری خواہش بر نہ آسکی۔ اب جب کستوربا مر چکی ہے تو حکومت کو چاہیئے کہ جلانے کی رسم خوش اسلوبی سے ادا ہو۔

خط بنام ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند نیو دہلی

ہٹلر صاحب کی کج رفتاری

گاندھی جی ازالہ چاہتے ہیں

قیدیوں کا کیمپ ۔ ۲۴ر مارچ ۱۹۴۴ء

مجھے اپنی فوت شدہ بیوی کے متعلق بڑے افسوس اور تامل سے

لکھنا پڑتا ہے ۔ مگر سچائی کی خاطر یہ خط تحریر کر رہا ہوں ڈوباج[2] کو اخباروں کے بیان کے مطابق بٹلر صاحب نے پارلیمنٹ میں کہا" کہ کستوربا کو ہر طرح کی ڈاکٹری مدد اور توجہ ملی۔ تیمارداری خاطر خواہ تھی اور رشتہ دار بھی موجود تھے"۔

البتہ باقاعدہ تیمارداری تھی اور سب نے حتی المکان مدد بھی دی ۔ جو کستوربا نے مانگا یا جیسا میں نے چاہا ویسا ہی کیا گیا ہیں ان سب کا شکر گذار ہوں ۔ مگر یہ سب کچھ وقت پر نہ ہوا اور ویدراج کو آنے کی اجازت اس وقت ملی جب میں نے جیل کے حکام کو کہا کہ اگر مریضہ جیسا وہ چاہتی ہیں مدد نہ ملی اور میری مرضی پوری نہ ہوئی تو میں اس حالت میں علیحدگی اختیار کرلوں گا ۔ میں کس لئے اس کی مصیبت کو دیکھوں ؟ جب میں نے انسپکٹر جنرل صاحب کو زور سے لکھا تو ویدراج کو آنے کی اجازت ملی ۔

(خط کی نقل ارسال ہے)

۲۷ جنوری ۱۹۴۴ء کو میں نے ڈاکٹر دنشا کو بلانے کے لئے درخواست دی ۔ اس سے ایک ماہ پیشتر مرحومہ خود انسپکٹر جنرل صاحب سے ڈاکٹر ڈنشا کے لئے کہہ چکی تھی ۔ مگر ۵ فروری کو ڈاکٹر ڈنشا صاحب آئے۔

ڈاکٹر نیر اور ڈاکٹر گلڈر دونوں نے ۳۱ جنوری کو لکھ کر درخواست دی کہ کلکتہ کے ڈاکٹر بی ۔ سی رائے سے مشورہ ضروری ہے ۔

Mr. Butler

حکومت نے کچھ پروا نہ کی اور بعد میں جب زبانی یاد دہانی بھی کرائی گئی تو کچھ اثر نہ ہوا۔

ٹلر صاحب نے یہ بھی کہا۔

"کستوربا کی رہائی کے لئے کوئی درخواست نہیں آئی اور حکومت ہند کا خیال ہے کہ مریضہ کو آغا خاں محل سے باہر لے جانا اس کے اور اس کے لواحقین کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا"

اس میں کوئی شک نہیں کہ رہائی کے لئے کوئی درخواست نہیں کی گئی اور نہ ہی خود کستوربا نے اور نہ ہی میں نے رہائی کے لئے کچھ کہا (ایسا کرنا ستیہ گرہی قیدی کے لئے اصولاً درست نہ تھا) مگر حکومت کو چاہئے تھا کہ اُسے اور مجھے اور ہماری لڑکوں سے پوچھتے کہ کیا کستوربا کو رہا کر دیں اگر حکومت ایسا کرتی تو مریضہ کے دل پر اس کا اچھا اثر پڑتا۔ مگر بدقسمتی سے حکومت نے اس بات کا خیال نہیں کیا۔

جلانے کی رسم کے متعلق ٹلر صاحب نے فرمایا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے گاندھی جی کی درخواست پر جلانے کی رسم آغا خاں محل میں دوستوں اور لواحقین کی موجودگی میں ادا کی گئی۔

میری درخواست جو میں نے ۲۲ر فروری کو ۸ بجے کے قریب انسپکٹر جنرل (جیل) کو لکھوائی ذیل میں درج کی جاتی ہے

(۱) لاش میرے لڑکوں اور لواحقین کو دی جائے۔ اس سے

یہ مراد ہے کہ جلانے کی رسم سب کے سامنے اور بغیر حکومت کی مداخلت کے ادا کی جائے گی۔

(۳) اگر یہ ممکن نہ ہو تو جلانے کی رسم اسی طرح سے ہو جس طرح مہا دیو ڈیسائی کے وقت ہوئی اور اگر حکومت صرف رشتہ داروں کو حاضر ہونے کی اجازت دے گی تو میں حاضر نہ ہو سکوں گا جب تک کہ دوستوں کو بھی جو رشتہ داروں کے برابر ہی ہیں اجازت نہ ہو گی

(۳) اگر حکومت اس بات کو بھی نہ مانے تو وہ لوگ جو کستوربا سے ملاقات کرتے رہے ہیں میں ان کو کہوں گا کہ آپ چلے جاؤ اور صرف کیمپ میں جو قیدی ہیں وہ موجود رہیں۔

معلوم رہے کہ میں اس معاملہ کو سیاسی رنگ نہیں دینا چاہتا۔ نہ ہی اپنی بیوی کی سخت علالت سے کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ مگر میں ضرور چاہتا ہوں کہ حکومت سب کام کو خوش اسلوبی سے انجام دے۔ مجھے ڈر ہے کہ حکومت نے ایسا نہیں کیا۔ اب جب کستوربا مر چکی ہے تو جلانے کی رسم بڑی سنجیدگی سے ادا ہونی چاہیئے۔" حکومت بھی اس بات کا اقرار کرے گی کہ میں نے اپنی بیوی کی لمبی علالت کو اور ان مشکلات کو جو مجھے ہوئیں کوئی سیاسی رنگ نہیں دیا۔ اور نہ ہی میرا ایسا کرنے کا ارادہ ہے۔ مگر کستوربا کی یادگار رہیں اور انصاف اور

سچائی کی خاطر حکومت کو اپنے ماضی کے سلوک کا ازالہ کرنا چاہیے
اگر اخبار کی رپورٹ غلط ہے یا حکومت اس معاملہ کے متعلق
اور رائے رکھتی ہے تو وہ رائے ظاہر ہونی چاہیئے، اور اگر میری
شکایت درست ہے تو جو کچھ حکومت کے نمائندے نے امریکہ
میں کہا ہے، اس کی تصیح کر دینی چاہیئے

دستخط (ایم - کے - گاندھی)

حکومت کی طرف سے جواب

نمبر ۳ / ۴۳ ایم - ایس - حکومت ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ
ازطرف ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ نیو دہلی -
جناب ایم - کے - گاندھی صاحب
نیو دہلی ۱۲ / مارچ ۱۹۴۴ء

آپ کے ۴ / مارچ کے خط کے جواب میں جو آپ نے بٹلر صاحب کے ایک سوال کے جواب کے متعلق (جو پارلیمنٹ میں ۲ / مارچ ۱۹۴۴ء کو کیا گیا) لکھا تھا - میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حکومت ہند کے متعلق آپ کا خیال کردہ کستوربا کی علالت میں خصوصی علاج سے قاصر رہی افسوسناک ہے - حکومت ہند نے جو کچھ ممکن تھا وہ کیا اور حکومت کے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا اُس پر عمل کیا گیا اور باہر کے ڈاکٹروں کے بلانے میں بھی

تامّل نہ ہوا۔ خصوصاً جب ڈاکٹروں نے مناسب خیال کیا۔
۲۸ جنوری کو حکومت کو اطلاع ہوئی کہ کستوربا نے ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کو بلایا ہے اور ۳۱ جنوری کو انہیں اس بات کی خبر ہوئی کہ ڈاکٹر گلڈر نے دوسرے ڈاکٹروں کو مشورہ کے لئے طلب کیا ہے۔ یکم فروری کو حکومت بمبئی کو صاف طور پر اطلاع دے دی گئی کہ اگر مزید ڈاکٹری امداد کی ضرورت ہو یا دوسرے ڈاکٹروں سے مشورہ کرنا ہو تو حکومت کے ڈاکٹروں کے مشورہ سے اجازت دے دی جائے اگر ڈاکٹر ڈنشا مہتہ صاحب کو جلدی طلب نہ کیا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ کرنل بھنڈاری اور ڈاکٹر گلڈر کی رائے تھی کہ ضرورت نہیں۔ جب انہوں نے اپنی رائے بدلا اُسی وقت حکومت نے ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کو طلب کر لیا۔
آپ کا ۲۷ جنوری والا خط جو حکومت ہند کو یکم فروری کو ملا اُس میں کستوربا نے آیورویدک ڈاکٹر کو بلانے کی خواہش ظاہر کی مگر نام کا ذکر نہ کیا اور ویدراج شرما صاحب کے متعلق ۹ فروری کو حکومت کو اطلاع ملی۔ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر اجازت دے دی گئی اور جب حکومت ہند کو یہ پتہ لگا کہ ویدصاحب کے ٹھہرنے کا آغاخاں محل میں تسلی بخش انتظام نہیں ہوا تو فوراً انتظام کیا گیا اور انھیں وہاں ٹھہرایا گیا۔
ایسی حالت میں حکومت کا خیال ہے کہ اُس نے حتی المقدور

آپ کی بیوی کے علاج میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا اور سب کام آپ کی مرضی کے مطابق کیا گیا۔

(۲) رہا سوال رہا کرنے کا حکومت کا ابھی تک یہ ہی خیال ہے کہ اس کے متعلق بہترین انتظام کیا گیا۔ ۲۴ جنوری کو حکومت کو اس بات کی اطلاع ملی کہ آپ کے صاحبزادے دیوداس نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ اُسے تھوڑے عرصہ کے لئے رہا کیا جائے مگر اس نے کہا کہ مَیں آغا خاں محل سے تب تک نہیں جاوں گی جب تک گاندھی جی وہاں ہیں۔ حکومت نے اس گفتگو پر کوئی فیصلہ نہ کیا کیوں کہ یہ شخص تھی۔ مگر حکومت نے اس سے اندازہ لگایا کہ حکومت درستی پر تھی۔

امریکہ میں جو بیان شائع ہوا اور جیسے سر گرجا شنکر باجپئی کے سر تھوپا گیا۔ اُس کے متعلق آئین ساز اسمبلی میں جو سوال جواب ہوئے آپ نے اخباروں میں دیکھ لئے ہوں گے۔

(۳) جلانے کے متعلق جو کچھ ہوا حکومت کا خیال ہے کہ آپ کی مرضی سے ہوا۔ حکومت نے اس معاملہ کی دریافت کی اور پتہ چلا کہ آپ کے خط میں جو دو باتیں لکھی تھیں وہ تقریباً ایک ہی معنی رکھتی تھیں۔

ایسے حالات کے ہوتے ہوئے بٹلر صاحب نے جو کچھ پارلمنٹ میں کہا وہ غلط نہ تھا

دستخط (آر ٹاٹن ہم)

گاندھی جی کا جواب الجواب

ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند ہوم ڈیپارٹمنٹ نیو دہلی کے

نام خط۔

قیدیوں کا کیمپ

یکم اپریل ۱۹۴۴ء

جناب عالی

آپ کا خط مورخہ ۲۱ مارچ مجھے ۲۷ مارچ کو ملا۔

مزید ڈاکٹری امداد کے متعلق میں کہنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کے متعلق جو درخواست کستوربا نے کی تھی وہ کرنل اڈوانی سے زبانی کی گئی تھی۔ جب بار بار کہنے سے کچھ نہ ہوا تو تحریری درخواست میری طرف سے کی گئی اور وہ خط حکومت ہند کی خدمت میں ۲۷ جنوری کو روانہ کیا گیا۔

۳۱ جنوری کو میں نے حکومت بمبئی کو یاددہانی کی اور ڈاکٹر نیر اور ڈاکٹر گلڈر نے بھی انسپکٹر جنرل (جیل) کو لکھا ۳ فروری کو میں نے پھر حکومت بمبئی کو لکھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ ۵ فروری کو آئے میری پہلی درخواست اور ان کے آنے میں چھ ہفتوں کا عرصہ گذر گیا۔ اور جب اجازت مل بھی گئی پھر بھی ان کے آنے جانے پر بندشیں لگادی گئیں

کہ فلاں وقت آئیں اور اتنا وقت صرف کریں۔ آہستہ آہستہ اس قسم کی بندشیں بھی پہلے کم اور پھر دور کر دی گئیں۔

آپ کے خط میں ڈاکٹر گلڈر کی طرف اشارہ ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو خط دکھلایا۔ انہوں نے حکومت کو ایک خط لکھا ہے وہ جوف میں روانہ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر گلڈر نے کوئی رائے نہ دی تھی۔ بہر حال یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ڈاکٹر ڈنشا صاحب کو چھ ہفتے گذر جانے کے بعد اجازت ملی۔ انگریزی ڈاکٹر کے علاوہ ویدجی کو بلانے کے متعلق میرے لڑکے نے پچھلے دسمبر جب وہ یہاں آیا تھا تو انسپکٹر جنرل (جیل) سے کہا تھا۔ جب کرنل بھنڈاری نے مجھ سے یہ بات کہی کہ آپ کے لڑکے نے وید کا علاج کرانے کے لئے مجھ سے کہا تھا تو میں نے کہا کہ حکومت کو اجازت دینی چاہیے تھی۔ ابھی میرے لڑکے کی درخواست حکومت کے سامنے پیش ہی ہو رہی تھی کہ کستوربا کی حالت خراب ہونے لگی اور اس نے خود ویدجی کو بلانے کے لئے کہا اور کئی بار انسپکٹر جنرل اور کرنل شاہ سے بھی کہا مگر کچھ نہ ہوا۔

مایوس ہو کر میں نے ۲۷ جنوری کو حکومت ہند کو لکھا۔ ۳۱ جنوری کو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے حکومت کی طرف سے دریافت کیا کہ کستوربا کس وید کو بلانا چاہتی ہے اور میں نے تحریری جواب دیا کیونکہ وہ میری خاموشی کا دن تھا۔

چونکہ کوئی فیصلہ نہ کیا گیا اور دیر کرنے سے مریضہ کی حالت اور بھی خراب ہو رہی تھی میں نے ایک ضروری خط ۳ ر فروری کو حکومت بمبئی کو لکھا۔ ۱۱ ر فروری کو ایک مقامی وید کو روانہ کیا گیا اور ۲۲ ر فروری کو ویدراج شرما جی آئے۔ اس طرح وید کو بلانے کے لئے پہلی درخواست کرنے اور اس کے آنے میں آٹھ ہفتے گذر گئے، ویدراج شرما جی کے آنے سے بیشتر ہی میں نے ایک تحریر دی جس سے حکومت کو ہر ذمہ داری سے آزاد کر دیا گیا یعنی ویدراج جی جس طرح مرضی سے علاج کریں۔ اب امید کی جاتی تھی کہ ویدراج کو علاج کرنے کے لئے سب قسم کی سہولتیں دی جائیں گی اور وہ جیسا مناسب خیال کریں گے ویسا کریں گے۔ مگر ان کے راستہ میں بھی روڑا اٹکایا گیا، ان روکاوٹوں کا ذکر میری ۲۴ مارچ والی چھٹی میں کیا گیا ہے۔ اس وقت مریضہ کو بڑی تکلیف تھی اور اس کی حالت بڑی سرعت سے بگڑ رہی تھی اور ہر قسم کی دیری مریضہ کے لئے مہلک تھی۔ چنانچہ جو تکلیف مجھے اور کستوربا کو ہوئی جا ہے وہ حکومت کی وجہ سے ہوئی یا حکومت کے ڈاکٹروں کی وجہ سے ہوئی اس کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

حکومت تحریری درخواستوں کا جواب تک نہ دیتی تھی جب ڈاکٹر نیر اور ڈاکٹر گلڈر نے زبانی یاددہانی بھی کی اور

کہا کہ ڈاکٹر بی۔ سی رائے کو بلانا چاہیئے اور اس سے مشورہ کرنا چاہیئے تو حکومت نے کچھ جواب نہ دیا اس کے علاوہ ہوم ممبر نے اسمبلی میں کہا کہ سندیافتہ دایاں موجود رہتی تھیں جب میں نے ۲۰ مارچ کے خط میں لکھا کہ ایسا نہیں تھا تو جواب ندارد۔

امر واقعہ تو یہ ہے کہ سندیافتہ دایاں بالکل نہیں آئیں۔ کستوربا نے جن دایوں کو بلایا وہ بھی دیر میں آئیں۔ اور کنّو تو بہت دیر بعد آیا۔

مجھے اُمید ہے کہ ٹھنڈے دل سے ان واقعات پر غور کرنے سے اور خطوں کی دیکھ بھال سے (نقلیں ارسال ہیں) آپ کو یقین ہو جائے گا کہ حکومت ہند کا یہ کہنا کہ حتی المقدور کستوربا کے علاج میں کوئی کمی نہیں رہی اور میری مرضی کے مطابق سب کچھ ہوتا رہا درست نہیں، اور بٹلر صاحب کا کہنا بھی درست نہ تھا۔ انہوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ معالجہ میں کوئی کسر باقی نہ رہی اور باقاعدہ توجہ کی گئی۔ یہاں تک کہ صرف دیکھ بھال کرنے والے ہی نہ تھے بلکہ خاندان کے لوگ بھی موجود رہے۔

حکومت بمبئی کا یہ بیان کہ کوئی باہر کا ڈاکٹر نہیں آسکتا جب تک حکومت کا اپنا ڈاکٹر اس بات کا فیصلہ نہ کرے

کہ معالجہ میں امداد کی ضرورت ہے۔ اس بات کا منافی ہے کہ حکومت نے حتی المقدور کوشش کی۔

باقی رہا رہائی کا سوال اور حکومت ہند کا یہ کہنا کہ میرے لڑکے کی اپنی والدہ کے ساتھ جو محرمانہ گفتگو ہوئی اور حکومت کے کانوں تک پہنچی وہ قانوناً جائز نہ تھی ان سے میرا کیا واسطہ حکومت جانے اور اس کا کام۔ البتہ اگر حکومت خود کستوربا کو رہا کر دیتی تو وہ بری الزمہ ہو جاتی۔ اور پھر میں فیصلہ کرتا کہ حکومت کو کیا مناسب ہوگا۔ جلانے کے متعلق ملاحظہ ہو میرا خط مورخہ ۴ مارچ جس کو میں نے حکومت کو اپنی طرف سے انسپکٹر جنرل (جیل) صاحب کو لکھوایا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ پھر بھی حکومت کہتی ہے کہ میں نے جو لکھا ویسا ہی کیا گیا۔ حکومت اس معاملہ میں بالکل غلطی پر ہے۔ اگر سب بات مجھ پر چھوڑ دی گئی ہوتی تو بھلا میں کیسے جیل کے احاطہ میں اپنی پیاری بیوی کو جلانے دیتا۔ مرگھٹ میں کیوں جلائی نہ جاتی۔

ایسے ذاتی معاملات پر حکومت کو بار بار لکھنا مجھے نہیں لگتا۔ مگر اپنی بیوی کی یادگار میں جس نے میرے ساتھ ۶۲ سال گذارے مجھے لکھنا ہی پڑتا ہے۔ حکومت خود ہی خیال کر سکتی ہے کہ جب کستوربا کا یہ حال ہوا تو اور قیدیوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

دستخط (ایم۔ کے۔ گاندھی)

ڈاکٹر گلڈر غلطی کو درست کرتے ہیں

یہ وہ خط ہے جو ڈاکٹر گلڈر نے حکومت ہند کو لکھا اور جس کی طرف گاندھی جی نے اپنے خط میں اشارہ کیا تھا۔

جناب عالی۔

آپ کے خط مورخہ ۱۲ر مارچ میں جو آپ نے گاندھی جی کو لکھا۔ یوں لکھا ہے

"۲۸ر جنوری کو انھیں پتا لگا کہ کستور با نے ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کو یاد کیا ہے۔ اگر ڈاکٹر ڈنشا کو پہلے نہ بلایا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ کرنل بھنڈاری اور ڈاکٹر گلڈر دونو کی رائے تھی کہ کسی اور ڈاکٹر کو بلانا بے سود ہوگا۔ مگر جب حکومت کے ڈاکٹروں نے اپنی رائے کو بدلا تو ڈاکٹر ڈنشا کو طلب کیا گیا۔"

کرنل بھنڈاری کے ساتھ میرا نام بھی شامل کر دینا درست نہیں کرنل بھنڈاری اور کرنل شاہ حکومت کی طرف سے مقرر ہوئے تھے۔ پچھلے دسمبر جب کرنل اڈوانی صاحب جو کرنل بھنڈاری کی جگہ کام کر رہے تھے ایک دن شام کو گشت لگا رہے تھے تو کستور با نے اُن سے کہا کہ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کو بلوا لیجئے۔ تب کرنل اڈوانی نے میری رائے پوچھی کہ کیا کیا جائے۔ میں نے چونکہ ڈاکٹر نیر سے مشورہ نہ کیا تھا اور نہ ہی کستور با سے اس معاملہ کے متعلق

کوئی ذکر ہوا تھا اور نہ گاندھی جی سے میں نے کرنل اڈوانی سے کہا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ دوسرے دن صبح کو جب وہ گشت پر آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کو بلانا چاہیئے۔ یہ دسمبر کی بات ہے۔ جنوری کا مہینہ بھی گذر گیا پھر بھی ڈاکٹر ڈنشا مہتہ صاحب کو آنے کی اجازت نہ ملی۔ ۳۱ جنوری کو میں نے اور ڈاکٹر نیر نے جو خط لکھا اس میں یاد دہانی کی گئی۔ اسی خط میں ہم نے ڈاکٹر بی سی رائے کے متعلق بھی لکھا مگر کسی نے کوئی پرواہ نہ کی۔ زبانی بھی کہا۔ مگر کسی نے نہ سُنا۔

ایک اور بھی غلطی ہوئی۔ کہا گیا ہے کہ سند یافتہ دایاں موجود تھیں۔ البتہ جب پرکاش نرائن کی بیوی اور رکنو کے آنے سے پیشتر جب تیمارداری کرنی مشکل ہوگئی تو ایک آیا کام کرتی تھی جو پاگل خانے میں کام کیا کرتی تھی۔ ہفتہ بھر کام کرنے کے بعد وہ بھی سپرنٹنڈنٹ صاحب سے پوچھ کر چلی گئی۔

دستخط (ایم ڈی ڈی گلڈر)

کرنل بھنڈاری صاحب روشنی ڈالیں

خط بنام ایڈیشنل سکریٹری صاحب حکومت ہند
ہوم ڈیپارٹمنٹ نیو دہلی۔

قیدیوں کا کیمپ۔ ۱۲؍اپریل ۱۹۴۴ء

جناب کرنل بھنڈاری صاحب

حکومت ہند کے خط مورخہ ۳۱؍مارچ ۱۹۴۴ء میں یوں لکھا ہے۔

"۲۸؍جنوری کو ہمیں خبر ملی کہ کستوربا نے ڈاکٹر ڈنشا مہتہ کو بلا بھیجا ہے۔ ہم نے ڈاکٹر ڈنشا کو پہلے طلب نہ کیا کیونکہ کرنل بھنڈاری اور ڈاکٹر گلڈر دونو کی رائے تھی کہ ان کا آنا ضروری نہیں۔ مگر جب حکومت کے ڈاکٹروں نے اپنی رائے کو بدلا۔ حکومت نے ڈاکٹر ڈنشا کو فوراً بلا لیا۔"

جلانے کے انتظام کے متعلق ہم نے سمجھا کہ آپ کی مرضی کے مطابق سب کام ہوا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ کی چھٹی میں جو دو باتیں لکھی ہوئی تھیں ان کے مطابق سب کچھ ہوا۔"

ڈاکٹر گلڈر صاحب نے تو کوئی ایسی رائے ہی نہ دی تھی! اور میں نے کبھی نہیں کہا کہ میرے لئے اس میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی جلانے کی رسم جیل کے احاطہ میں ہو یا مرگھٹ میں ہو۔

مہربانی کر کے اس معاملہ پر روشنی ڈالئے

دستخط (ایم ۔ کے ۔ گاندھی)

کونسل آف سٹیٹ میں ایک حیرت انگیز بیان

خط بنام ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند ۔ نیو دہلی

قیدیوں کا کیمپ

۲ر اپریل سنہ ۱۹۴۴ء

جناب عالی ۔

حکومت ہند کو جو خط میں نے کل لکھا اُسی سلسلہ میں یہ خط بھی ہے ۔ جب میں خط سپرنٹنڈنٹ صاحب کو دے چکا تو میں نے اخبار "ہندوستان ٹائمز" میں یہ حیرت انگیز بیان پڑھا

(دیکھو اخبار مورخہ ۳۰ر مارچ سنہ ۱۹۴۴ء)

"نئی دہلی ، بروز بدھ وار

آج کونسل آف سٹیٹ میں لالہ رام سرن داس صاحب نے پوچھا کہ کیا مہاتما گاندھی نے حکومت ہند سے پنڈت شو شرما جی مشہور وید کو اپنی بیوی کے علاج کے لئے بلانے کی درخواست کی تھی اور کب کی تھی ۔" ہوم سکریٹری صاحب نے جواب میں کہا کہ پہلی

درخواست اُن کے بلانے کے متعلق ۹ر فروری کو آئی اور ۱۰ر فروری کو منظور کر دی گئی۔ پنڈت شرما جی میرے خیال میں ایک دو دن بعد علاج کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔

اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ حکومت کے پاس شو شرما جی کا نام ۳۱ر جنوری کو پیش کیا گیا۔ ۹ر فروری کو نہیں۔ میری کل کی چٹھی سے واضح ہو جائے گا کہ پہلے پہل دسمبر ۱۹۴۳ء میں ویدجی کو بلانے کی تجویز ہوئی آپ مہربانی کر کے اس بیان کی تصحیح کر دیجئے۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

حکومت ہند کا بیان

ازطرف ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند نیو دہلی۔

مورخہ ۳۰ر مارچ ۱۹۴۴ء

ایم کے گاندھی کے نام

جناب عالی

آپ کی چٹھی مورخہ ۲۰ مارچ کے متعلق مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ حکومت ہند کو ۲۲ دسمبر کو اطلاع موصول ہوئی کہ آپ نے کنو اور جے پرکاش نرائن کی بیوی کو طلب کیا ہے۔ اسی دن حکومت بہار کو تار دیا گیا کہ بندوبست کرے بمبئی کی حکومت کو بھی اطلاع دی گئی کہ اگر مزید تیمارداری کی ضرورت ہو تو سند یافتہ دایاں بہیا

کی جائیں ۲۴ دسمبر کو بہار کی حکومت کا جواب آیا ہے کہ جے پرکاش نرائن کی بیوی پونہ جاسکتی ہے۔ اسی وقت حکومت بمبئی کو اطلاع دی گئی کہ وہ حکومت بہار کے ساتھ اس معاملہ پر خط وکتابت کرے۔ اور سند یافتہ دایوں کا بندوبست کرے۔ ۳ جنوری کو حکومت ہند کو اطلاع ملی کہ بندوبست کیا جارہا ہے اور دایاں اور جے پرکاش نرائن کی بیوی روانہ ہوگئی ہیں۔ بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ کنو آغاخاں محل میں آتے جاتے ہیں اور حکومت ہند کے پاس ۲۷ جنوری کو اُن کے محل میں قیام کرنے کے متعلق درخواست بھی ملی۔ چنانچہ ۲۹ جنوری کو اجازت بھی دے دی گئی۔ اس سے پہلے بھی حکومت بمبئی نے کنو کو وہاں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔

ایسے حالات میں حکومت ہند کا خیال ہے کہ آئین ساز کونسل میں جو جواب دیا گیا اور جس کی طرف آپ کا اشارہ ہے وہ درست تھا۔ حکومت بمبئی نے کُل واقعات ہمیں لکھ دئے ہیں۔ انھیں آپ کی خط وکتابت یا حکومت ہند کی تحریروں کا کوئی علم نہ تھا۔ آپ کی بیوی نے کہا تھا کہ سند یافتہ دایوں کی بہ نسبت ایک آیا بہتر ہوگی چنانچہ اس کی مرضی کے مطابق کیا گیا۔ اس بات کے شائع کرنے کی حکومت کو ضرورت نہیں۔

دستخط (آر۔ ٹامٹن ہم)

پبلک کی تسلی کی ضرورت

ایڈیشنل سکریٹری کی حکومت ہند کے نام
قیدیوں کا کیمپ
۱۳ر اپریل ۱۹۴۴ء
جناب عالی

آپ کا ۳۰ر مارچ کا خط مجھے ۶ر اپریل کو ملا۔ مرکزی حکومت کو پورے حالات سے واقفیت نہ تھی یہ تو ثابت ہی ہے۔ سند یافتہ دایوں کے متعلق میں نے حکومت ہند کی توجہ اس کے بیان کی طرف دلوائی جس میں کہا گیا تھا کہ دایاں کچھ وقت کے لئے رکھی گئیں۔ کستوربا نے "آیا" کو سند یافتہ دایا پر ترجیح دی۔ دایوں کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ حکومت کا وہ بیان پبلک کے لئے صاف ہو جانا چاہیئے۔

جو اور باتیں میں نے یکم اپریل کی چٹھی میں تحریر کی ہیں اُن کا جواب بھی لازمی ہے۔

دستخط (ایم۔ کے گاندھی)

آخری لفظ

ازطرف سر رچرڈ ٹاٹن ہام صاحب۔ ایڈیشنل سکریٹری حکومت ہند
جناب ایم۔ کے گاندھی صاحب
حکومت ہند نے آپکی ۱ر۲ر و ۳ر اپریل کی چٹھیاں بڑی افسوس سے پڑھیں۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو آپ کی شکائتیں بیجا ہیں۔ حتی المقدور حکومت نے آپ کی درخواستوں کو منظور کیا اور جو کچھ ممکن تھا وہ کیا۔ مگر آپ کے دل پر صدمہ ہونے کی وجہ سے آپ کو اس بات کا احساس نہیں۔ مزید خط و کتابت کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

دستخط (آر۔ ٹاٹن ہام)

سوم پرکاش ساہنی پرنٹر و پبلشر نے مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپواکر برائے لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور کیلئے شائع کیا۔